تدبّر

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

نئی مطبوعات

مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل تصانیف مطالعہ فرمایئے:

- فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں ۵۶/- روپے

موضوعات: خدا کی ذات وصفات۔ کائنات میں انسان کا مقام۔ خیروشر۔ جبرواختیار۔ آخرت اور جزا و سزا۔ نظام نبوت۔

- مقالاتِ اصلاحی۔ جلد اول ۷۶/- روپے

موضوعات:

اسوۂ حسنہ۔ جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیادیں۔ معاشرہ کی اصلاح کا منہاج۔ مغربی تہذیب سے مرعوبیت کے اثرات۔

- اسلامی قانون کی تدوین ۳۶/- روپے
- مجموعہ تفاسیر فراہی (مصنفہ امام فراہیؒ) ۱۷۶/- روپے
- تفہیمِ دین ۵۴/- روپے

موضوعات:

قرآنیات۔ تحقیق حدیث وسنت۔ فلسفۂ دین
اسلامی نظام اجتماعی۔ قومی وملی معاملات۔

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲-فیروز پور روڈ۔ اچھرہ۔ لاھور ۵۴۶۰۰
فون - ۴۸۳۴۷۷

تدبر

سلسلہ نمبر ۴۰ اگست ۱۹۹۲ء
صفر ۱۴۱۳ھ

فہرست مضامین

تذکرہ وتبصرہ

صدرِ اول کی تاریخ کے لیے چند رہنما نکات ـــــ خالد مسعود ۳

تدبرِ قرآن

تفسیر سورۂ یونس ـــــ خالد مسعود ۶

تدبرِ حدیث

دینداری کی پسندیدہ روش ـــــ امین احسن اصلاحی/سعید احمد ۱۵

مالی وتجارتی معاملات ـــــ امین احسن اصلاحی/سعید احمد ۲۳

انٹرویو

جماعتِ اسلامی اور تنظیم اسلامی سے میرا تعلق ـــــ امین احسن اصلاحی ۳۰

مقالات

غزوۂ بدر ـــــ خالد مسعود ۳۹

مجلسِ ترتیب

- خالد مسعود (مدیر)
- عبداللہ غلام احمد
- ماجد خاور
- محبوب سبحانی
- سعید احمد

ناشر ——— ادارہ تدبرِ قرآن و حدیث
رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور
مطبع ——— المطبعة العربية لاہور
قیمت ۸/- روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

خالد مسعود

صدرِ اوّل کی تاریخ کے لیے چند رہنما نکات

تدبر کی گزشتہ اشاعت میں ہم نے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کی کتاب 'واقعۂ کربلا' کا تعارف کرایا تھا۔ ہمارے ایک قاری نے یہ استفسار کیا ہے کہ اس واقعہ کے بارے میں تدبر کا اپنا موقف کیا ہے۔ یہ واقعہ امت مسلمہ کے اندر اختلاف کی جڑ ہے اور اس کی توجیہات کی بڑی بہتات ہے۔ اس لئے لوگ وقتاً "فوقتاً" اس کے بارے میں استفسارات کرتے رہتے ہیں۔ ادارہ تدبر کا موضوع تاریخ نہیں ہے۔ لہٰذا ہم تاریخ کے مسائل کے بارے میں تحقیق کے دعویدار نہیں ہیں۔ تاہم ہماری رائے میں صدر اول کی تاریخ کے بارے میں بنیادی رہنمائی خود قرآن و سنت سے مل جاتی ہے۔ اس کی روشنی میں اگر مورخین کے بتائے ہوئے ان امور پر غور کیا جائے جن پر ان کا اجماع ہے تو ہمارے خیال میں حق سے قریب تر نتائج تک پہنچا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں چند نکات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مقام حاصل ہے کہ آپ کے فرضِ رسالت کی کامیابی کے ساتھ تکمیل اور دوسرے ادیان پر غلبہ کی خبر خود قرآن نے دی ہے۔ تیئیس برس کی محنت کے بعد آپ نے انسانوں کی وہ جماعت تیار کی جو قرآن کے الفاظ میں کفار کے لئے بے حد سخت اور اہل ایمان کے لئے نہایت شفیق تھی۔ اس کی تمام جدوجہد کا مقصد اللہ کی رضا کی تلاش تھی' ایمان کی نورانیت ان پاکیزہ انسانوں کی جبینوں سے ہویدا تھی اور ان کے شب و روز خدا کی محبت میں رکوع و سجود میں بسر ہوتے تھے۔ لہٰذا قرآن کو ماننے والا کوئی شخص کسی ایسے نقطۂ نظر کو نہیں مان سکتا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جماعت کو اسلام کی باغی یا ایمان سے خارج بتایا گیا ہو۔ ایسا نقطۂ نظر مان لینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ اپنے فرضِ رسالت میں ناکام ماننے کے مترادف ہے۔

۲۔ قرآن مجید نے صحابہ کرامؓ کی جماعت میں سابقون اولون' مہاجرین' انصار اور بعد میں اسلام لانے والوں

کے الگ الگ درجات بیان کئے ہیں۔ پہلے گروہوں کی بطور خاص تحسین فرماتے ہوئے خبردی ہے کہ اللہ ان کے حسن کارکردگی کے باعث ان سے راضی ہوگیا۔ ان کا صلہ اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ قرآن کے اسی بیان کی روشنی میں صدرِ اول کی اسلامی حکومت اور عوام دونوں نے جماعتِ صحابہ کے ان طبقات کے ساتھ ہمیشہ خاص معاملہ کیا اور ان کے اکرام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ان کے بارے میں یہی صحیح رویہ ہے۔ اللہ کے ان منظورِ نظر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد علیہ ساتھیوں کے ساتھ اس کے برعکس کوئی رویہ اختیار کرنا خدا اور رسول کے ساتھ دشمنی ہے۔

۳۔ اللہ کے نبی معصوم ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ وحیِ الٰہی کی نگرانی میں کام کرتے ہیں۔ اگر کبھی وہ جانبِ حق میں بھی کوئی غلطی کر بیٹھتے ہیں تو وحی کے ذریعے ان کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ انبیا کے سوا اور کسی کو، خواہ اس کا تعلق صحابہ کرام سے ہو یا صلحاء و ابرار سے، وحی کا یہ تحفظ حاصل نہیں۔ لہٰذا وہ معصوم نہیں ہیں اور ان سے اجتہادی غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں۔ ان کے افعال کے لئے کسوٹی قرآن و سنت ہی ہے۔

۴۔ تاریخی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار سابقون اولون میں ہے اور اسلام کے لئے ان کی خدمات نہایت شاندار ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل اسلام اور ہجرت سے مشرف ہوئے، کتابتِ وحی کی عزت سے سرفراز ہوئے اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے رومیوں پر اسلام کی دھاک بٹھائی۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادگان کا شمار صغار صحابہ میں ہے جن کو عالم شعور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہنے اور آپ کے ہمراہ دین کے لئے جدوجہد کا موقع نہیں ملا۔ یہ جب سن رشد کو پہنچے تو اسلامی مملکت مستحکم ہو چکی تھی۔ ان اہم شخصیات کے معاملات پر غور کرتے وقت ان کے فرقِ مراتب کو نگاہ میں رکھنا بے حد ضروری ہے۔

۵۔ مدینہ میں اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی مملکت اسلامیہ میں اسلامی شریعت کا نفاذ ہوگیا تھا۔ منصب قضاء پر فائز لوگوں کا انتخاب اہل علم و تقویٰ میں سے ہوتا۔ پورے دورِ بنی امیہ میں اسلامی قانون نافذ رہا اور اس سے کوئی انحراف نہیں ہوا۔ لہٰذا اس دور میں حکومت کے ساتھ کفر و اسلام کے معرکے پیش آنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ اگر شریعت سے انحراف کی کوئی صورت پیدا ہوئی ہوتی تو اموی دور کے دو تہائی عرصہ تک بڑے جلیل القدر صحابہ ابھی زندہ تھے۔ ان کا وجود اس بات کی ضمانت ہے کہ ان کے سامنے کسی حکومت سے کفر بواح کا صدور نہیں ہوا ورنہ وہ اس کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہ کرتے۔

۶۔ حکومت میں باپ کے بعد بیٹے کا جانشین ہونا خلافِ شرع نہیں۔ سیدنا عمرؓ نے اپنی جانشینی کا فیصلہ کرنے والی کمیٹی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بھی رکن نامزد کیا تھا۔ وہ مشورہ میں شریک تھے لیکن حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ اس لئے نہیں کہ ایسا کرنا خلافِ شرع ہوتا بلکہ اس لئے کہ حضرت عمرؓ کے بقول بارِ خلافت کی جوابدہی کے لئے خاندان بنی عدی میں سے تنہا حضرت عمرؓ ہی کافی تھے۔ اسی

طرح حضرت علیؓ کی جانشینی کے لئے ان کے صاحبزادے حضرت حسنؓ کا انتخاب کیا گیا حالانکہ ان سے اہل تر اور زیادہ تجربہ کار معمر صحابہ بڑی تعداد میں موجود تھے۔

۷۔ خاص واقعہ کربلا میں اس امر پر مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ جانے کے فیصلہ سے متعدد صحابہ نے اختلاف کیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ خدانخواستہ اسلام کے بہی خواہ نہ تھے بلکہ دین کے ان وفادار و جانثار خادموں کی نگاہ میں حقائق وہ نہیں تھے جو حضرت حسینؓ کو بتائے گئے تھے۔

۸۔ اصل صورت حال سے مطلع ہو کر حضرت حسینؓ کا تین شرائط پیش کرنا بھی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس اقدام کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اقدام کو کفر و اسلام کے معرکہ کی حیثیت نہیں دے رہے تھے بلکہ اب وہ اس غلط فہمی سے نکل آئے تھے جس میں مبتلا کئے گئے تھے۔ ورنہ کفر کے مقابل میں اسلام کے حق میں اٹھایا ہوا قدم واپس لینے کے کیا معنیٰ!

۹۔ جس دور میں واقعہ کربلا پیش آیا اس زمانہ کے لوگوں نے اس کو بھی کفر و اسلام کی آویزش کے رنگ میں نہیں دیکھا بلکہ اس کو ایک افسوس ناک حادثہ کی حیثیت دی۔ اس حیثیت کا تعین کرنے والوں میں بڑے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔

ہمارے خیال میں اس پر آشوب دور کے ہر اس مورخ کی تحقیق یقیناً قابل قدر ہے جو مذکورہ بنیادی حقائق، جو قرآن و سنت کے نصوص اور مورخین کے اجماع پر مبنی ہیں، کا لحاظ کر کے حقیقت کو دریافت کرنے کی سعی کرے۔ ان حقائق سے ہٹ کر جب ہم کوئی رائے قائم کرتے ہیں تو یہ امت کے اندر تفرقہ اور انتشار کا باعث ہوتی ہے۔

تدبّر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورۂ یونس

یہ الف' لام' را ہے۔ یہ پر حکمت کتاب کی آیات ہیں ○ کیا لوگوں کو اس بات پر حیرانی ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص پر وحی کی کہ لوگوں کو ہوشیار کردو اور اہل ایمان کو بشارت پہنچا دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا مرتبہ ہے۔۱۔ کافروں نے کہا' بے شک یہ ایک کھلا ہوا جادوگر ہے ○ ۲

بے شک تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ ادوار میں پیدا کیا' پھر وہ معاملات کا انتظام سنبھالے عرش پر متمکن ہوا۔ اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی نہیں۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے تو اسی کی بندگی کرو' کیا تم سوچتے نہیں ○ اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے۔ ۲۔ بے شک وہی خلق کا آغاز کرتا ہے' پھر وہی اس کا اعادہ کرے گا

مضمون:

سورہ یونس سے قرآن مجید کی سورتوں کا تیسرا گروپ شروع ہوتا ہے جو پندرہ سورتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے صرف آخری سورہ نور مدنی ہے۔ اس گروپ میں بشارت دی گئی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے حق و باطل کے درمیان جو کشمکش برپا ہو چکی ہے وہ بالآخر پیغمبرؐ اور اہل ایمان کی فتحمندی اور قریش کی ہزیمت پر منتج ہو گی۔ سورہ یونس اہل ایمان کے لئے بشارت کی سورہ ہے۔

۱۔ آیت میں 'لوگوں' سے مراد قریش ہیں جو عوام کی توجہ قرآن اور پیغمبرؐ سے ہٹانے کے لئے کہتے کہ یہ کلام کوئی مافوق چیز اور اس کا پیش کرنے والا کوئی مافوق ہستی نہیں ہے۔ فرمایا کہ اس پُر حکمت کتاب اور اس کے حامل کے پیغام دونوں میں استعجاب و انکار کے لئے کچھ نہیں ہے۔۔

۲۔ یہ قرآن کے پیغام انذار و بشارت کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ یہ کائنات اپنی تدریج و ترتیب سے اپنے

تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کو عدل کے ساتھ بدلہ دے' ۳۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے ان کے کفر کی پاداش میں کھولتا پانی اور دردناک عذاب ہے ○ وہی ہے جس نے سورج کو تاباں اور چاند کو نور بنایا اور اس کے لئے منزلیں ٹھہرا دیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کر سکو۔ اللہ نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں بنایا ہے۔ وہ اپنی نشانیوں کی وضاحت کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہیں ○ بے شک رات اور دن کی آمد و شد اور آسمانوں اور زمین کی مخلوقات میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ڈریں ۴۔ ○ جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں ہیں اور اسی دنیا کی زندگی پر قانع اور مطمئن ہیں اور جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں ○ انہی لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کے اعمال کی پاداش میں ○ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اللہ ان کے ایمان کی بدولت ان کو ان کی منزل پر پہنچائے گا' ۵۔ ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی' نعمت کے باغوں میں ○ اس میں ان کا ترانہ ہو گا اے اللہ تو پاک ہے۔ اور اس میں ان کی آپس کی تحیت سلام ہو گی اور ان کا آخری کلمہ الحمد للہ رب العالمین ۶۔ (شکر ہے اللہ رب العالمین کے لئے) ہو گا ○ ۱۰

بامقصد کارخانہ ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔ اس کی مقصدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان ایک دن اپنے خالق اور آقا و مولیٰ کے سامنے پیش ہو اور اپنے نیک اور بد اعمال کا انجام دیکھے۔

۳۔ معلوم ہوا کہ قیامت کا اصل مقصود اہل ایمان کو جزا دینا ہے۔ اہل کفر کو سزا اس کے لوازم میں سے ہے۔ وہ اصل مقصود نہیں۔

۴۔ یہ جزا و سزا کے قطعی ہونے کی دلیل بیان ہوئی ہے کہ کائنات کے ہر گوشے میں اس کے خالق کی عظیم قدرت اور اس کی بے پایاں رحمت و ربوبیت نمایاں ہے۔ اس کے اندر بے نظیر ترتیب و اہتمام ہے۔ یہ ہرگز ایک کھیل تماشا نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ دنیا خیر و شر اور نیکی و بدی کے درمیان امتیاز کے بغیر یوں ہی چلتی رہے گی یا یوں ہی ختم ہو جائے گی تو اس کی ساری قدرت و حکمت بے مقصد ہو جاتی ہے۔

۵۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی بدولت جنت میں ان کے حسب مراتب منازل و مقامات کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے گا۔

۶۔ یعنی اہل ایمان آپس میں مبارک سلامت کے تبادلے کریں گے اور جب دیکھیں گے کہ ان کے لئے ہر طرف نعمت ہی نعمت ہے تو بے تحاشا ان کی زبان پر یہ کلمۂ شکر جاری ہو جائے گا۔

اگر اللہ لوگوں کے لئے عذاب کے معاملے میں ویسی ہی سبقت کرنے والا ہوتا جس طرح وہ ان کے ساتھ رحمت میں سبقت کرتا ہے توان کی مدت تمام کردی گئی ہوتی۔ تو ہم ان لوگوں کو جو ہماری ملاقات کے متوقع نہیں ہیں ان کی سرکشی میں بھٹکتے رہنے کے لئے ڈھیل دے دیتے ہیں○ اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تب تو لیٹے، بیٹھے یا کھڑے ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کردیتے ہیں تو اس طرح چل دیتا ہے گویا کسی تکلیف کے لئے، جو اس کو پہنچی، اس نے ہم کو پکارا ہی نہیں تھا۔ اسی طرح حدود سے تجاوز کرنے والوں کی نگاہوں میں ان کے اعمال کھبا دیے گئے ہیں○ ۱۲

اور ہم نے تم سے پہلے قوموں کو ہلاک کیا جب کہ وہ ظلم کی مرتکب ہوئیں۔ اور ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور وہ ایمان لانے والے نہ بنے۔ ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں مجرم قوم کو○ پھر ہم نے ان کے بعد تم کو ملک میں ان کا جانشین بنایا کہ دیکھیں تم کیسا عمل کرتے ہو ۸۔○ ۱۴

اور جب ہماری کھلی ہوئی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہماری ملاقات کے متوقع نہیں ہیں، کہتے ہیں اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ترمیم کرو۔ کہہ دو مجھے کیا حق ہے کہ میں اس میں اپنے جی سے ترمیم کردوں۔ میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر آتی ہے ۹۔ اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں○ کہہ دو اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو نہ میں اس کو تمہیں سناتا اور نہ وہ اس سے تمہیں باخبر کرتا۔ میں

۷۔ قرآن کے منکرین یہ کہتے کہ اگر جزا اور سزا ایسی ہی اٹل چیز ہے اور اگر ہم اس کے مستحق ہو ہی چکے ہیں تو وہ عذاب ہم پر آ کیوں نہیں جاتا جس کی دھمکی دی جا رہی ہے۔ اس کا جواب دیا ہے کہ خدا رحمت میں جلدی کرتا ہے لیکن قہر کرنے میں وہ بڑا دھیما ہے۔ اس کے بعد انسان کی جلد بازی کی حقیقت واضح کی ہے کہ وہ عذاب کا مطالبہ تو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کرتا ہے لیکن جب خدا کی پکڑ میں آتا ہے تو واویلا کرنے لگتا ہے۔ اور اگر خدا اس کو پھر سے ڈھیل دے دے تو دوبارہ اکڑنے لگتا ہے۔

۸۔ یعنی جن لوگوں کے تم جانشین ہوئے ہو ان کے حالات میں تمہارے لئے کافی سامانِ عبرت موجود ہے۔ آخر ان کے حالات سے کیوں سبق نہیں لیتے۔

۹۔ قریش جب دیکھتے کہ قرآن سے اب پیچھا چھڑانا ممکن نہیں رہا تو مطالبہ کرتے کہ اس کے مضامین کو بدلا

اس سے پہلے تم میں ایک عمر بسر کرچکا ہوں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۱۰۔○ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ بے شک مجرم فلاح پانے والے نہیں بنیں گے۔○ ۱۷

اور وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکیں نہ نفع اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں ۱۱۔ کہہ دو کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کا اس کو خود پتہ نہیں، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں، وہ پاک اور ارفع ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں○ اور لوگ تو ایک ہی امت تھے۔ پھر انہوں نے اختلاف کیا۔ ۱۲۔ اور اگر تمہارے رب کی جانب سے ایک بات پہلے سے طے نہ پاچکی ہوتی تو ان کے درمیان اس امر میں فیصلہ کردیا جاتا جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں○ ۱۹

اور وہ کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی؟ تو تم جواب دے دو کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے تو تم لوگ انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار جائے یا کم از کم اس میں ایسی ترمیم کردی جائے جس کے بعد وہ ان کے لئے گوارا ہو سکے۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ کہلایا گیا کہ یہ میری کوئی اپنی تصنیف تھوڑے ہی ہے کہ میں اس میں اپنی جانب سے کوئی ترمیم و تنسیخ کردوں۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ میں بے چون و چرا اس کی پیروی پر مامور ہوں۔ میری کوئی بات اس کو منسوخ نہیں کرسکتی۔

۱۰۔ مطلب یہ کہ یہ قرآن خدا کی طرف سے ڈالی ہوئی ایک ذمہ داری ہے جو مجھے اٹھانی پڑی ہے۔ ورنہ تمہارے اندر میری طویل زندگی اس پر گواہ ہے کہ میں سیادت و امارت کا طالب کبھی نہیں رہا۔ آج تک تم مجھے صادق اور امین سمجھتے رہے ہو اب تم یہ گمان کیوں کرنے لگے کہ میں خالق پر کوئی جھوٹ باندھنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔

۱۱۔ یہ قرآن سے بیزاری کا سبب بتایا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کو خدا کے چہیتوں کا درجہ دیتے اور ان کی سفارش کی امید رکھتے ہیں۔ یہ محض ایک خیالِ باطل ہے۔ ان فرضی شرکاء کا وجود نہ کہیں آسمانوں میں ہے نہ زمین میں۔

۱۲۔ یعنی شرک و ضلالت کی موجودگی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ان کی تعلیم بھی خدا اور اس کے رسولوں نے دی ہے۔ تعلیم تو صرف توحید کی دی گئی لیکن گمراہوں نے نئے راستے خود ایجاد کرلئے۔

کرنے والوں میں سے ہوں○ اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہو ہم اسے اپنے فضل سے نوازتے ہیں تو وہ ہماری نشانیوں کے باب میں چالیں چلنے لگتا ہے ۱۳۔ کہہ دو 'خدا اپنی تدبیروں میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ جو چالیں تم چل رہے ہو ہمارے فرستادے ان کو نوٹ کر رہے ہیں○ ۲۱

وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں سفر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو اور کشتیاں ہوائے موافق سے چل رہی ہوتی ہیں اور وہ اس میں مگن ہوتے ہیں کہ دفعۃً "ایک باد تند آتی ہے اور ان پر ہر جانب سے موجیں اٹھنے لگتی ہیں اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم ہلاک ہوئے تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں خالص اسی کی اطاعت" کا عہد کرتے ہوئے کہ اگر تو نے ہمیں اس آفت سے نجات دی تو ہم تیرے شکرگزار بندوں میں سے ہو کر رہیں گے ۱۴۔○ تو جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے وہ نجات پاتے ہی زمین میں 'بلا کسی حق کے' سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو' تمہاری سرکشی کا وبال تمہارے ہی اوپر آنے والا ہے ۱۵۔ چند دن دنیا کی زندگی کا نفع اٹھا لو' پھر تمہاری واپسی ہماری ہی طرف ہے' پھر ہم تمہیں تمہاری کرتوتوں سے آگاہ کریں گے○ اس دنیا کی زندگی کی تمثیل یوں ہے جیسے بارش کہ ہم نے اسے آسمان سے برسایا پس اس سے زمین کی نباتات

۱۳۔ یہاں نشانی سے مراد اس عذاب کی نشانی ہے جس کی دھمکی رسول کی تکذیب کی صورت میں دی جا رہی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا گیا کہ عذاب لانا میرا کام نہیں۔ اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ فرمایا کہ نشانی دکھانے کا کچھ فائدہ بھی تو نہیں۔ تنبیہہ کے لیے جو نشانیاں دکھائی جاتی ہیں تم ان سے کون سا فائدہ اٹھاتے ہو۔ تمہارے لیڈر ان سے سبق حاصل کرنے کے بجائے اپنے عوام کو یہ تسلی دینا شروع کر دیتے ہیں کہ اس قسم کے نرم و گرم حالات تو قوموں پر آتے ہی رہتے ہیں۔ یہ کیوں مان لیا جائے کہ ان کا کوئی تعلق ہمارے اعمال و عقائد سے ہے۔

۱۴۔ اوپر فرمایا کہ انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس کو کسی دکھ کے بعد سکھ پہنچاتے ہیں تو وہ ہماری نشانیوں سے صحیح فائدہ اٹھانے کے بجائے ہم سے چال بازیاں کرتا ہے۔ اسی حقیقت کو یہاں کشتی کے مسافروں کے رویے سے مثال دے کر سمجھایا ہے۔

۱۵۔ یہ خطاب قریش سے ہے۔ ان کو دھمکی دی ہے کہ تمہاری سرکشی سے نہ خدا کا کچھ بگڑے گا نہ رسول کا۔ بگڑے گا تمہارا ہی۔ تمہارا ہر قدم تمہیں خدا کے عذاب سے قریب تر کرے گا۔

خوب اچھیں' وہ بھی جن کو لوگ کھاتے ہیں اور وہ بھی جن کو چوپائے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا پورا بناؤ سنگھار کر لیا اور زمین والوں نے گمان کیا کہ اب معاملہ ہمارے قابو میں ہے تو دفعۃً "اس پر ہمارا قہر رات کو یا دن کو آدھمکا اور ہم نے اس طرح اس کا ستھراؤ کر دیا کہ گویا کل کچھ تھا ہی نہیں ۱۶۔ اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور کریں○ ۲۴

اور اللہ امن و سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ جس کو چاہتا ہے ۱۷۔ سیدھی راہ کی طرف ہدایت دیتا ہے○ جن لوگوں نے اچھے کام کیے ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور اس پر مزید بھی' اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی نہ ذلت ۱۸۔ یہی جنت والے لوگ ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے○ اور جنہوں نے بدیاں کمائی ہوں گی تو برائی کا بدلہ اس کے مثل ہے اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ اللہ سے ان کو کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا ان کے چہرے شب دیجور کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیے گئے ہیں ۱۹۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں' یہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے○ ۲۷

اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں کو حکم دیں گے کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی جگہ ٹھہرو۔ پھر ہم ان کے درمیان تفریق کریں گے اور ان کے شریک کہیں گے' تم ہم کو تو نہیں پوجتے تھے○ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے

۱۶۔ یہ دنیا کی اس زندگی کی تمثیل بیان فرمائی ہے جس پر کفار ریجھے ہوئے تھے۔ ان پر واضح کیا ہے کہ آج تمہارے حالات سازگار ہیں اور ہر طرف فراغت و رفاہیت کی فراوانی ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اب تم خدا کی گرفت سے باہر ہو۔ خدا کے قہر کی بجلی تو اس وقت گرتی ہے جب مستحق عذاب قوم اپنے حالات میں مگن ہو کر یہ سمجھنے لگتی ہے کہ اب آسمان یا زمین سے کوئی خطرہ اسے پیش آ ہی نہیں سکتا۔

۱۷۔ یعنی ابدی امن و سلامتی کے اس گھر کی راہ اختیار کرنا ہر ایک کا نصیبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق انہی کو دیتا ہے جو اس کی سنت کے مطابق اس کے اہل ٹھہرتے ہیں۔

۱۸۔ یہاں نفی کا اسلوب اس کے ضد پہلو کو نمایاں کرنے کے لئے ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے چہرے اپنی کامیابی پر ہشاش بشاش ہوں گے اور ہر قدم پر ان کے ساتھ اعزاز و تکریم کا معاملہ ہو رہا ہوگا۔

۱۹۔ چہروں پر سیاہی کی یہ کیفیت ان کی ابدی مایوسی کے سبب سے ہوگی۔ اس مایوسی اور ذلت سے چھڑانے میں ان کے مزعومہ شرکاء اور شفعاء کچھ کام نہ آئیں گے۔

لئے کافی ہے۔ ہم تمہاری عبادت سے بالکل ہی بے خبر رہے ۲۰۔ ○ اس وقت ہر شخص اپنے اس عمل سے دوچار ہو گا جو اس نے کیا ہو گا اور لوگ اپنے مولائے حقیقی کے حضور پیش ہوں گے اور افترا کر کے انھوں نے جو معبود بنائے تھے وہ سب ہوا ہو جائیں گے ۲۱۔ ○ ۳۰

ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ یا کون ہے جو سمع اور بصر پر اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو ساری کائنات کا انتظام فرماتا ہے، تو جواب دیں گے اللہ، تو ان سے کہو کہ کیا تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں ○ پس وہی اللہ تمہارا رب حقیقی ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے ۲۲۔ تو کہاں تمہاری عقل الٹ جاتی ہے ○ اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر پوری ہو چکی ہے جنھوں نے نافرمانی کی ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ ۳۳

پوچھو تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہو پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا؟ کہہ دو اللہ ہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہ اس کا اعادہ فرمائے گا تو تم کہاں اوندھے ہوئے جاتے ہو ۲۳۔ ○ پوچھو، کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو، کہہ دو اللہ ہی ہے جو حق کی توفیق بخشتا ہے۔ تو کیا جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ پیروی کئے جانے کا مستحق ہے یا وہ جو بغیر رہنمائی کے خود راہ نہیں پاتے؟ تو تمہیں کیا ہو گیا ہے ۲۴۔ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو ○ اور ان

۲۰۔ شرکاء و شفعاء کا ذکر آیا تو آخرت میں مشرکین سے ان کے اظہارِ برائت کی تفصیل بھی بتا دی۔ فرمایا کہ وہ خدا کی قسم کھا کر ان کو بتائیں گے کہ وہ اس بات کی خبر ہی نہیں رکھتے تھے کہ دنیا میں تم ہماری عبادت کرتے رہے۔ یہ اظہارِ برائت پوری خدائی کے سامنے ان کے پرستاروں کو رسوا کر دے گا۔

۲۱۔ یعنی ہر شخص کو قیامت میں سابقہ اپنے اعمال ہی سے پیش آئے گا۔ شرکاء سب غائب ہو جائیں گے اور خدا کی پکڑ سے چھڑانے کے لئے کوئی وہاں موجود نہ ہو گا۔

۲۲۔ اہل عرب کے مذکورہ اعترافات سے ان کے شرک کی نوعیت یہ نظر آتی ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ایک بادشاہ اپنے مقربین کو کچھ اختیارات و فرائض سونپ دیتا ہے اسی طرح کچھ اختیارات خاص طور پر رزق، اولاد وغیرہ سے متعلق خدا نے ان کے مزعومہ شرکاء کو تفویض کر رکھے ہیں۔ لہٰذا ان شرکاء کو اگر راضی رکھا جائے تو یہ خدا سے سفارش کر کے دنیا کی نعمتیں بھی دلواتے ہیں اور قیامت کے دن بھی یہ دستگیری کر کے ہمیں خدا سے بخشوا لیں گے۔ یہاں اسی شرک کی کامل نفی کی ہے۔

۲۳۔ یہ مشرکین کے اس خیال کی تردید میں فرمایا ہے کہ اگر قیامت ہوئی تو ان کے شرکاء و شفعاء ان کو اللہ

میں سے اکثر محض گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور گمان حق کا بدل ذرا بھی نہیں ہو سکتا اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے خوب باخبر ہے ○ ۳۶

اور یہ قرآن ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ سے پرے پرے ہی گھڑ لیا گیا ہو بلکہ یہ تصدیق ہے ان پیشین گوئیوں کی جو اس سے پہلے سے موجود ہیں اور کتاب کی تفصیل ہے ۲۵۔ اس کے خداوند عالم کی طرف سے ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے ○ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو اس نے گھڑ لیا ہے؟ ان سے کہو تو تم لاؤ اس کے مانند کوئی سورہ اور بلا لو اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو، اگر تم سچے ہو ○ بلکہ یہ لوگ اس چیز کو جھٹلا رہے ہیں جو ان کے علم کے احاطے میں نہیں آئی ۲۶۔ اور جس کی حقیقت ابھی ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوئی۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے گزرے تو دیکھو ظالموں کا انجام کیا ہوا ○ ۳۹

اور ان میں ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور وہ بھی ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور تیرا رب مفسدوں سے خوب واقف ہے ○ اور اگر وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو کہہ دو میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل، تم بری ہو میرے عمل کی ذمہ داری سے اور میں بری ہوں تمہارے عمل کی ذمہ داریوں سے ۲۷۔ ○ اور ان میں وہ بھی ہیں جو تمہاری بات پر کان دھرتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ وہ کچھ سمجھتے بوجھتے نہ ہوں ○ اور ان میں ایسے بھی ہیں جو

کی پکڑ سے بچا لیں گے۔

۲۴۔ فرمایا کہ آخرت تو در کنار، اس دنیا میں بھی ان شرکاء سے تمہیں کوئی فیض نہیں پہنچتا ہے۔ مخلوق کی ایک بڑی ضرورت خالق سے یہ وابستہ ہوتی ہے کہ وہ زندگی کے معاملات میں رہنمائی فرماتا ہے کہ کیا حق ہے اور کیا باطل۔ تمہارے یہ شرکاء اس میں بھی نکمے ثابت ہوئے ہیں۔ پھر ان کی پرستش سے کیا حاصل!

۲۵۔ کتاب سے مراد تورات ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے باب میں تورات کی پیشین گوئیاں اپنے محمل و مصداق کی منتظر تھیں، نیز اس میں دین کی توضیح و تکمیل کا کام آخری بعثت پر اٹھا رکھا گیا تھا۔ قرآن نے آ کر اس ضرورت کو پورا کر دیا۔

۲۶۔ یعنی قرآن کی مخالفت میں یہ اعتراضات تو محض اوپر کی باتیں ہیں۔ اصل وجہِ تکذیب یہ ہے کہ قرآن ان کو رسول کی تکذیب کی صورت میں جس عذاب کی خبر دے رہا ہے وہ ان کے علم کی گرفت میں نہیں آ رہی ہے۔

۲۷۔ یہ رسول کی زبان سے اعلان برائت ہے۔ یہ اعلان اس کے جھٹلانے والوں کے لئے عذاب کا پیش

تمہاری طرف نظر کرتے ہیں تو اب کیا تم اندھوں کو راہ دکھاؤ گے اگرچہ وہ دیکھ نہ رہے ہوں ۲۸۔ ○ اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں ○ ۴۴

اور جس دن اللہ ان کو اکٹھا کرے گا اس دن وہ محسوس کریں گے کہ گویا بس وہ دن کی ایک گھڑی رہے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ نامراد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہدایت حاصل کرنے والے نہ بنے ○ یا ہم تم کو اس کا کوئی حصہ دکھا دیں گے جس کا ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا تمہیں وفات دیں گے پس ان کی واپسی ہماری طرف ہو گی' پھر اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو وہ کر رہے ہیں ۲۹۔ ○ اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے تو جب ان کا رسول آجاتا ہے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جاتا ○ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو ○ کہہ دو کہ میں اپنی ذات کے معاملے میں بھی کسی نقصان اور نفع پر کوئی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی پیچھے ہوتے نہ آگے ۳۰۔ ○ ان سے کہو کہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر رات میں آدھمکے یا دن میں تو کیا چیز ہے جس کے بل پر مجرمین جلدی مچائے ہوئے ہیں ○ پھر کیا جب آہی دھمکے گا تب اس کو مانو گے! اب مانے' اسی کی تم جلدی مچائے ہوئے تھے ○ پھر ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ یہ تمہاری اپنی کمائی کا تمہیں بدلہ مل رہا ہے ○ ۵۲

خیمہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے قوم کو جو امان حاصل ہوتی ہے وہ اس اعلان کے بعد اٹھ جاتی ہے۔

۲۸۔ مطلب یہ ہے کہ سننے سمجھنے اور فہم و بصیرت رکھنے والے لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اپنی شامت اعمال سے گونگے بہرے اور اندھے بن چکے ہیں تو اللہ کی سنت کے تحت ان کو ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔

۲۹۔ یعنی جس عذاب سے تمہاری قوم کو ڈرایا جا رہا ہے' اگر حکمتِ الٰہی مقتضی ہوئی تو تمہاری زندگی ہی میں اس کا کچھ حصہ ان کو دکھا دیا جائے گا ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں وفات دے گا اور تمہارے مکذبین کا معاملہ آخرت کے عذاب پر اٹھا رکھے گا۔

۳۰۔ قوموں کی ہلاکت کی اجل اخلاقی پیمانہ سے ناپ کر اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہوتی کہ گھڑی کی سوئی کب اپنے آخری نشان پر پہنچے گی جس کے بعد عذاب نازل ہو گا۔ خدا کا رسول بھی اس سے بے خبر ہوتا ہے۔

تدبرِ حدیث

امین احسن اصلاحی

دینداری کی پسندیدہ روش

(صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی روایات)

باب۲۹۔ الدین یسر ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ

اللہ کا دین آسان ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ محبوب ترین دین اللہ کے نزدیک دین حنیفی ہے جو نہایت معتدل دین ہے۔

۳۸ ۔ حدثنا عبدالسلام بن مطہر قال نا عمر بن علی عن معن بن محمد الغفاری عن سعید بن ابی سعید ن المقبری عن ابی ہریرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الا غلبہ فسددوا وقاربوا وابشروا و استعینوا بالغدوۃ والروحۃ وشیء من الدلجۃ

ترجمہ:۔ سعید المقبری حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے اور جو کوئی بھی دین سے دھینگا مشتی کرے گا تو یہ دین اس کو پچھاڑ دے گا۔ لوگو سیدھی راہ اختیار کرو' میانہ روی اختیار کرو' اللہ سے رحمت کی امید رکھ کر بڑھو اور اللہ کے دین کی راہ کے سفر میں اس مسافر کی روش اختیار کرو جو اپنا کچھ سفر صبح کو کر لیتا ہے' کچھ شام کو کر لیتا ہے اور کچھ رات کو کر لیتا ہے۔

وضاحت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کا دین اپنی مزاج کے لحاظ سے بہت سہل ہے کیونکہ یہ دین فطرت ہے۔ اس میں ایسی بات کیوں کر ہو سکتی ہے جو سب کو اڑنگا دے کر پچھاڑ دے۔ لیکن جو شخص اس کے ساتھ دھینگا مشتی کرے گا تو یہ اس کو پچھاڑ دے گا۔ وہ دین پر غالب نہیں آسکتا۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص یہ ارادہ کرلے کہ میں تو ہر معاملہ میں آخری نقطہ پر ہی قدم رکھوں گا تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ بعض صحابہؓ نے کہا کہ حضورؐ کا کیا ہے آپؐ کے تو سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ ہم تو ساری

ساری رات نماز پڑھیں گے' زندگی بھر روزہ رکھیں گے' شادی بیاہ نہیں کریں گے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اس زمانہ میں صوفیا کے اس طرح کے واقعات کا بہت چرچا کیا جاتا ہے کہ وہ حج کے لئے پیدل گئے اور ہر قدم پر نفل پڑھے۔ لوگ ایسے ایسے فضائل بیان کرتے ہیں جو ناقابل یقین ہی نہیں ناقابل عمل بھی ہیں۔ اسی طرح کی چیزوں کے بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے کہ دین سے دھینگا مشتی نہ کرو ورنہ مار کھا جاؤ گے۔

"سددوا" کے معنی ہیں اسی سیدھی راہ پر چلو جو دین میں ہے۔ اس میں مبالغہ نہ کرو۔ کج پیچ نہ پیدا کرو۔ جس چیز کی جو اہمیت ہے اتنی ہی رکھو۔ پاؤ کو سیر بھر نہ بناؤ۔ دین کا مقصد خدا تک پہنچنا ہے اور خدا کے متعلق یہ آیا ہے کہ وہ راہ بھی ہے اور منزل بھی۔ لہٰذا جن لوگوں نے قطب و ابدال وغیرہ سے رشتے جوڑ رکھے ہیں تو ان کو کبھی خدا کی راہ نصیب نہیں ہوگی۔ یہ دین کی سیدھی راہ میں کج پیچ پیدا کرنا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ خدا کی راہ بتانے والے رسول کے حکم کے مطابق اس راستے پر چلیے جو خدا تک پہنچانے والا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بات یہ فرمائی کہ "قاربوا" اس کے معنی ہیں کہ الگ الگ مت رہو۔ قریب قریب رہو۔ نہ آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور نہ ہی پیچھے رہو۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ میانہ روی اختیار کرو' اصل منزل کو سامنے رکھو اور میانہ روی سے منزل پر پہنچو۔

"ابشروا" کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے رب کی رحمت پر بھروسہ کرکے حوصلہ مند رہو۔ اس سے ناامید نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے فضل' کرم اور رحمت پر انحصار کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ شکوک و شبہات میں مبتلا رہیں کہ معلوم نہیں میری نماز ہوئی یا نہیں۔ میرا روزہ ہوا یا نہیں۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کا وضو ہی نہیں ہوتا۔ پانی انڈیلے چلے جاتے ہیں۔ آدمی کو اپنے رب پر بھروسا کرنا چاہیے۔ خامیاں اور کوتاہیاں تو انسان سے ہوتی رہتی ہیں۔ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنے عمل کو درست کریں۔ کوشش کے باوجود اگر نہ کر سکیں تو توقع رکھیں کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ اگر آپ یہ یقین رکھیں تو آپ اپنی طبیعت میں بڑا اطمینان اور شرح صدر محسوس کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ نہایت سننے والا' جاننے والا' بڑا مہربان اور بے حد کریم ہے۔ آپ کے عمل سے اس کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ آپ کا عمل آپ ہی کے لئے ہے۔ اس میں جتنا بھی قابل قبول ہوگا وہ نکال لے گا اور ہمارے ساتھ اس کا معاملہ بے حد کریمانہ ہوگا۔

"غدوۃ" صبح کے سفر کو کہتے ہیں "روحۃ" شام کے سفر کو کہتے ہیں اور "دلجۃ" رات کے سفر کو کہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے دین کے مسافر کی مثال اس صحرا کے مسافر سے دی ہے جو کچھ سفر صبح کے ٹھنڈے وقت میں کر لیتا ہے پھر دوپہر کو آرام کرنے کے بعد کچھ سفر شام کو کر لیتا ہے۔ پھر سستانے کے بعد کچھ سفر رات کو کر لیتا ہے اور آخر کار سلامتی کے ساتھ اپنی منزل کو پالیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی صاحب یہ ارادہ کر لیں کہ میں تو دن رات چلتا

رہوں گا اور ایک ہی رات میں ساری منزل طے کراؤں گا تو ایسا شخص اگر خود نہیں مرے گا تو اس کا اونٹ مر جائے گا اور اگر اونٹ نہیں مرے گا تو وہ خود مر جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ منزل پر نہیں پہنچ پائے گا۔ جبکہ میانہ روی والا شخص مایوسی اور شبہات سے بھی بچا رہتا ہے جو جلد باز کو لازماً لاحق ہوتے ہیں۔

اصل چیز میانہ روی اور مداومت ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب دین کا غلبہ ہوتا ہے تو کمرہ صاف کیا' جانماز بچھائی' وضو کے لئے لوٹا وغیرہ رکھ لیا اور دو ایک دن نمازوں میں خوب لگے رہے۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو سارا سارا دن الٹا غفلیں پڑے سوتے ہیں' سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس دوسرے کاموں میں بھی ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ تھوڑا کریں لیکن مداومت کے ساتھ تو پھر اس کی برکتیں دیکھیے۔

باب ٣٠ ـ الصلوۃ من الایمان و قول اللہ تعالیٰ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم یعنی صلاتکم عند البیت۔

ترجمہ .... نماز ایمان میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی تمہاری وہ نماز جو اللہ کے گھر میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی۔

یہ باب مرجئہ کی تردید میں ہے۔ وہ عمل کو داخل ایمان نہیں سمجھتے تھے' امام بخاری ہر عمل کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ یہ ایمان میں سے ہے۔ یہاں یہ دکھانے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود نماز کو ایمان سے تعبیر کیا ہے انہوں نے سورہ بقرہ کی اس آیت کا حوالہ دیا ہے جو تحویل قبلہ کے سلسلے کی ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے کہ نمازوں میں پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کی ہدایت دے کر اور اب بیت اللہ کو قبلہ قرار دے کر قبلہ کے امتحان میں تمہیں اس لئے ڈالا گیا کہ تمہارے ساتھ جو یہودی شامل ہو گئے ہیں ان کے چھٹ جانے کا بہانہ ہو۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ تمہارا ایمان ضائع ہو۔ پہلے قبلہ کے مشترک ہونے سے یہودی یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا اور مسلمانوں کا مذہب ایک ہی ہے اور یہ ظاہر بھی کرتے رہے ہوں گے کہ "نحن ملۃ واحدۃ" ہم ایک ہی ملت ہیں۔ لیکن تحویل قبلہ کے بعد ان کا تعصب حجاب بن گیا اور وہ مسلمانوں سے چھٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا فلسفہ یہ بیان کیا ہے کہ ہمارا مقصد مسلمانوں کے ایمان کو ضائع کرنا نہیں بلکہ ناپاک لوگوں کو الگ کرنا تھا۔ گویا یہ امتحان ان خام قسم کے لوگوں کے لئے رکھا گیا جو ایمان میں پختہ نہ تھے۔ آیت کی اس تفسیر کی روشنی میں اس میں ایمان کا لفظ نماز کے لئے نہیں آیا۔ یہ امام صاحب کا محض تکلف ہے کہ وہ اس کے معنی نماز لے رہے ہیں۔

٣٩ ـ حدثنا عمرو بن خالد قال نا زہیر قال انا ابو اسحاق عن البراء ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کان اول ما قدم المدینۃ نزل علی اجدادہ او قال اخوالہ من الانصار وانہ صلی قبل بیت المقدس ستۃ عشر شھرا او سبعۃ عشر شھرا و کان یعجبہ ان تکون قبلتہ قبل البیت وانہ صلی اول صلوۃ صلاھا صلوۃ العصر و صلی معہ قوم فخرج رجل ممن صلی معہ فمر علی اھل مسجد وھم راکعون فقال اشھد باللہ لقد صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مکۃ فداروا کما ھم قبل البیت و کانت الیھود قد اعجبھم اذ کان یصلی قبل بیت المقدس و اھل الکتاب فلما ولی وجھہ قبل البیت انکروا ذالک قال زھیر حدثنا ابو اسحاق عن البراء فی حدیثہ ھذا انہ مات علی القبلۃ قبل ان تحول رجال وقتلوا فلم ندر ما نقول فیھم فانزل اللہ تعالی وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔

ترجمہ .... براء سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اول اول جب مدینہ آئے تو آپ یا اپنے اجداد (ننھیال) کے پاس اترے یا اپنے ماموؤں کے پاس (راوی کو شبہ ہے) اور آپ نے ۱۶ یا ۱۷ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ آپؐ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو۔ آپؐ نے اس قبلہ پر جو پہلی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی۔ بہت سے لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ یہ نماز پڑھی۔ ان لوگوں میں سے ایک شریک نماز کا گزر ایک مسجد والوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے تو اس نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ کے رخ پر نماز پڑھی ہے۔ اس پر لوگ نماز ہی کی حالت میں قبلے کی طرف گھوم گئے۔ یہود اور اہل کتاب کو آپ کی وہ بات پسند تھی جب آپؐ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب آپؐ نے اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کر لیا تو ان کو یہ بات بری لگی۔ اس حدیث میں زہیر اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ کتنے لوگ قبلہ کی تحویل سے پہلے وفات پا گئے یا شہید ہو گئے تھے ہم کو معلوم نہ تھا کہ ان کے بارے میں ہم کیا کہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "**ما کان اللہ لیضیع ایمانکم**" (اللہ تعالیٰ تمہارا ایمان ضائع کرنے والا نہیں تھا)۔

آیت کا شان نزول جو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد لوگوں میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ ان لوگوں کا کیا بنے گا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور اب یا تو وفات پا چکے ہیں یا شہید ہو چکے ہیں۔ ان کی نمازیں قبول ہوئیں یا نہیں۔ میرے نزدیک یہ سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا' نہ ہو سکتا تھا' نہ اسے پیدا ہونا چاہئے تھا اور نہ ہی قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ صدق دل سے اس حکم پر عمل پیرا تھے جو رسول اللہ نے ان کو دیا تھا۔ اس صورت میں نمازیں قبول نہ ہونے کا کیا سوال ہے۔ ہم نے باب کے تحت آیت کا صحیح شان نزول جو خود قرآن سے

مستنبط ہوتا ہے' بیان کر دیا ہے۔

اس روایت میں معاملہ کا یہ پہلو مبہم چھوڑ دیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کو یہ بات کیوں پسند تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی بعثت ملت ابراہیمی پر ہوئی تھی اور آپ جانتے تھے کہ ابراہیمی مرکز عبادت بیت اللہ ہے۔ لیکن اس وقت اہل کتاب کا معروف قبلہ بیت المقدس تھا۔ جب تک وحی کے ذریعے واضح ہدایت نہ آجاتی آپ اہل کتاب کے مسلک پر عمل فرماتے تھے' لہٰذا آپ نے اسی کو قبلہ قرار دیا۔ البتہ منتظر رہے کہ کب ابراہیمی قبلہ اختیار کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ جب تک آپ مکہ میں رہے تو نمازوں میں یہ شکل ہوتی کہ آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف ہوتا لیکن کعبہ بھی سامنے ہوتا۔ اس طرح آپ کے لئے بیک وقت بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں قبلہ بن جاتے۔ ہجرت کے بعد ایسا کرنے کا امکان نہ رہا کیونکہ مدینہ سے بیت المقدس شمال کو اور بیت اللہ جنوب کو ہے۔ اس لئے مدینہ میں ابراہیمی قبلہ سے انقطاع آپ کے اوپر سخت شاق ہوتا۔ اسی حوالہ سے قرآن مجید میں یوں آیا ہے "**قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنولینک قبلۃ ترضھا**" (ہم آسمان کی طرف تمہارے رخ کی گردش دیکھتے رہے ہیں' سو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں جس کو تم پسند کرتے ہو) یہ حکم سترہ ماہ کے انتظار کے بعد آیا جس میں یہود سے آئے ہوئے لوگوں کے لئے بڑی سخت آزمائش تھی۔ اس پر وہ لوگ پورے نہ اتر سکے جن کا ایمان خام تھا۔ روایت میں سورہ بقرہ کی آیت کا حوالہ اسی حقیقت کے بیان کے لئے ہے۔

باب ۳۱ ۔ حسن اسلام المرء ۔ اسلام کی خوبی ۔ **قال مالک اخبرنی زید بن اسلم ان عطاء ابن یسار اخبرہ ان ابا سعید الخدری اخبرہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا اسلم العبد فحسن اسلامہ یکفر اللہ عنہ کل سیئۃ کان زلفھا و کان بعد ذالک القصاص الحسنۃ بعشر امثالھا الی سبع مائۃ ضعف والسیئۃ بمثلھا الا ان یتجاوز اللہ عنھا۔**

ترجمہ .... ابو سعید خدریؓ نے عطاء ابن یسار کو خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب آدمی ایمان لاتا ہے اور اس کا اسلام ٹھیک ہوتا ہے تب اللہ تعالیٰ اس کی ہر برائی جس کا وہ مرتکب ہوا ہوتا ہے اس سے دور کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ معاملہ بدلے کی بنیاد پر ہوتا ہے کہ اس کی نیکیاں دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک معاوضہ پاتی ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کے مثل ہوتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر کرلے۔

وضاحت .... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر اخلاص کے ساتھ ٹھیک ٹھیک اسلام لایا ہے تو قبل از اسلام اس کے جتنے گناہ ہوتے ہیں اسلام ان کا ہادم بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اس سے معاملہ اس اصول پر

ہوتا ہے کہ جب نیکی کرے گا تو اس کا صلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک پائے گا۔ لیکن برائی کا بدلہ اس برائی کے بقدر ہو گا۔ نیکی کے اجر میں دس سے لے کر ۷۰۰ گنا تک کی نسبت مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نیکی نیکی میں فرق ہوتا ہے۔ ایک نیکی عام حالات کے تحت کی جاتی ہے لیکن وہی نیکی نہایت ہی تنگ اور مشکل حالات میں بھی ہو سکتی ہے۔ ایک زمانہ ہوتا ہے جبکہ نیکیوں کا موسم بہار ہوتا ہے۔ اس میں ہر شخص کے لئے نیکی کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک زمانہ وہ ہوتا ہے جب نیکی کرنا جرم بن جاتا ہے یا نیک آدمی کو اپنے لوگوں کی نظروں میں ہی تماشا بنا رہتا ہے۔ اسی طرح نیکی اپنے مفادات کو خطرے میں ڈال کر اور بہت بڑی قربانی دے کر بھی کی جا سکتی ہے۔ تو ایسے حالات میں نیکی کے اجر میں بڑا اضافہ ہو جائے گا۔

باقی اس اجر کی مقدار کتنی ہو گی یہ جاننا اس دنیا میں ممکن نہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ اس کے بارے میں آخرت میں ہی معلوم ہو گا یہاں نہیں۔

برائی کے متعلق فرمایا کہ اس کے بقدر ہی بدلہ ملے گا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر فرمائے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے کیونکہ بعض اوقات برائی کے محرکات اور احوال ایسے ہوتے ہیں جس سے برائی برائی میں بھی بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے، لوگوں کو بہت زیادہ مشکل میں نہیں ڈالتا۔ لیکن اگر اس نے گرفت کی تو برائی کا بدلہ اسی کے ہم پلہ ہو گا۔ اس بدلہ کی حقیقت بھی اس دنیا میں جاننا ہمارے لئے ممکن نہیں۔

۴۰ - حدثنا اسحاق بن منصور قال حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا معمر عن همام عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا احسن احدکم اسلامه فکل حسنة یعملها تکتب له بعشر امثالها الی سبع مائة ضعف و کل سیئة یعملها تکتب له بمثلها۔

ترجمہ ..... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے اسلام کو ٹھیک رکھے تو جو کوئی نیکی کرے گا وہ لکھی جائے گی دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اور جو برائی کرے گا وہ لکھی جائے گی جتنی کرے گا۔

وضاحت ..... اوپر والی روایت حضرت ابو سعید خدری سے تھی اور یہ روایت حضرت ابو ہریرہ سے ہے۔ مضمون دونوں کا ایک ہی ہے۔

باب ۳۲ - احب الدین الی الله عزوجل ادومه

اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب دینداری وہ ہے جس پر آدمی مداومت کرے

۴۱ - حدثنا محمد بن المثنی قال حدثنا یحیی عن هشام قال اخبرنی ابی عن عائشة ان النبی صلی الله

علیه وسلم دخل علیها و عندها امراة قال من هذه قالت فلانة تذکر من صلاتها قال مه علیکم بما تطیقون فو الله لا یمل الله حتی تملوا و کان احب الدین الیه ما داوم علیه صاحبه۔

ترجمہ ..... حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو ان کے پاس ایک خاتون تھیں۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون ہیں۔ تو حضرت عائشہ نے کہا کہ فلاں بی بی ہیں، ان کی نماز کا بڑا چرچا ہے۔ آپؐ نے فرمایا چھوڑو۔ تمہارے اوپر اتنا ہی ضروری ہے جس کی تم طاقت رکھو۔ خدا کی قسم اللہ آزردہ نہیں ہوتا جب تک تم خود کسی عمل سے آزردہ نہ ہو جاؤ اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب دین وہ ہے جس کے اوپر اس کا عمل کرنے والا مداومت کرے۔

وضاحت ..... ان خاتون کی نمازوں کی بڑی دھوم تھی۔ حضرت عائشہ نے ان کی کثرت نماز کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا چھوڑو۔ یہ لفظ خاصا سخت ہے گویا آپؐ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تمہارے اوپر فرض اتنا ہی ہے جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے دین جتنا بھی فرض کیا ہے وہ آدمی کی فطرت اور طاقت کو ناپ کر فرض کیا ہے۔ اس کے کسی حکم میں ذرا بھی سختی نہیں۔ اس پر عمل کرنا ہر انسان کے بس میں ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی عارضی حالت ایسی پیش آ جائے کہ کسی حکم پر عمل مشکل ہو تو اس حکم میں بھی رعایت کر دی جاتی ہے۔ اس کی مثال وضو کی بجائے تیمم، حالت سفر میں نماز کی قصر اور روزے کی قضا وغیرہ کے احکام ہیں۔ غرض ہر چیز میں حالات کے لحاظ سے رعایتیں ہیں۔ لهٰذا آدمی کے لئے مناسب یہی ہے کہ جتنا حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرے، خواہ مخواہ دینداری کے خبط میں مبتلا ہو کر اپنے اوپر بہت سارا بوجھ اپنی طرف سے نہ لاد لے۔ پھر آنحضرتؐ نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ یاد رکھو جب تم خود کسی عمل سے تنگ آ جاتے ہو، آزردہ ہو جاتے ہو، تھک کر بے بس ہو جاتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت آزردہ ہو جاتا ہے اور بندے پر ناراض ہوتا ہے کہ اس نے اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھایا ہی کیوں تھا جس کو بعد میں اتار دینا پڑا۔ ظاہر ہے کہ ایسی نیکی بڑی مہنگی ہے۔ اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو گی کہ نیکی بھی کی اور خدا کی ناراضگی بھی مول لی۔

آگے آپؐ نے مزید وضاحت فرمائی کہ محبوب ترین دینداری اللہ کے نزدیک وہ ہے جس کے اوپر آدمی مداومت کرے، جس کی پابندی کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ثریّا میں اپنا گول وہاں باندھتے ہیں جہاں پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ دو تین روز تک بڑی لمبی لمبی نمازیں اور وظیفے کرتے ہیں پھر تھک کر اتنا غافل پڑے سوتے ہیں۔ دوسرے صوفیا لوگ ہیں۔ ان کا میدان ہی مشکل پسندی ہے۔ رسالہ

تکبیر پڑھتے۔ بہت ہی ثقہ بزرگوں کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نیت کی ہے کہ حج کے لئے سفر کروں گا تو ہر قدم پر دو رکعت نفل پڑھوں گا۔ ایسے لوگوں کی نیکی کے بڑے چرچے ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے جن سے مجھے کچھ عقیدت تھی بیان کیا کہ ان کے والد ماجد کو میزبانی کا بڑا شوق تھا۔ ایک روز ایک صاحب ان کے مہمان ہوئے تو حضرت نے ان کی بڑی خدمت کی یہاں تک کہ رات کو جب سب لوگ سو گئے تو حضرت نے آکر ان کے پاؤں دبانے شروع کر دیئے۔ دینداری کا یہی حد سے بڑھا ہوا تصور ہے جس کو اس حدیث نے غلط بتایا ہے۔

پیچھے روایت گزر چکی ہے کہ **الدین یسر** (دین آسان ہے) دین کے ساتھ دھینگا مشتی کرنے والا خود ہی مار کھا جاتا ہے۔ صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا حکم دیا ہے اتنا ہی کرو۔ لیکن خوبی کے ساتھ کرو اور پابندی اور باقاعدگی سے کرو کیونکہ مداومت میں بڑی برکت ہے۔

(ترتیب: سعید احمد)

امین احسن اصلاحی

مالی و تجارتی معاملات

(مؤطا امام مالک کی روایات)

کتاب القراض

"قراض" ایک اصطلاح ہے۔ اہل کوفہ اسی کو مضاربت کہتے ہیں۔ تجارت کے لئے کچھ رقم دوسرے کو دے کر منافع میں شریک ہونا قراض یا مضاربت کہلاتا ہے۔ یہ وہی کام ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے کیا۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے مال سے جو تجارت کرتے تھے وہ قراض ہی کا معاملہ ہوتا تھا۔ قراض کی اصطلاح جاہلیت کے زمانے سے رائج ہے اور اسلام نے اس کو قائم رکھا۔

حدثنی مالک عن زید بن اسلم عن ابیہ انہ قال: خرج عبد اللہ و عبید اللہ ابنا عمر ابن الخطاب فی جیش الی العراق فلما قفلا مرا علی ابی موسی الاشعری وھو امیر البصرہ فرحب بھما و سھل ثم قال لو اقدر لکما علی امر انفعکما بہ لفعلت ثم قال بلی ھا ھنا مال من مال اللہ ارید ان ابعث بہ الی امیر المومنین فاسلفکماہ فتبتاعان بہ متاعا من متاع العراق ثم تبیعانہ بالمدینہ فتودیان راس المال الی امیر المومنین' ویکون الربح لکما فقالا وددنا ذالک ففعل و کتب الی عمر بن الخطاب ان یاخذ منھما المال' فلما قدما باعا فاربحا' فلما دفعا ذالک الی عمر قال اکل الجیش اسلفہ مثل ما اسلفکما؟ قالا لا فقال عمر بن الخطاب ابنا امیر المومنین فاسلفکما ادیا المال و ربحہ' فاما عبد اللہ فسکت' واما عبید اللہ فقال ما ینبغی لک یا امیر المومنین ھذا لو نقص ھذا المال' او ھلک لضمناہ فقال عمر ادیاہ فسکت عبد اللہ و راجعہ عبید اللہ' فقال رجل من جلساء عمر یا امیر المومنین لو جعلتہ قراضا' فقال عمر قد جعلتہ قراضا فاخذ عمر راس المال و نصف ربحہ و اخذ عبد اللہ و عبید اللہ ابنا عمر بن الخطاب نصف ربح المال۔

ترجمہ.... زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے بتایا کہ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ اور عبیداللہ ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے۔ جب لوٹنے لگے تو وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے ملنے گئے جو بصرہ کے امیر تھے۔ انہوں نے اچھی طرح سے ان کا خیر مقدم کیا۔ پھر کہا کہ اگر میں کچھ کر سکتا تو آپ لوگوں کو نفع پہنچانے کی کوشش کرتا۔ پھر کہا کہ یہاں پر بیت المال کا کچھ مال ہے جس کو میں امیرالمومنین کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں یہ کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو یہ مال سلف کے طور پر پیشگی دے دیتا ہوں۔ آپ اس سے عراق کی کچھ چیزیں خرید لیں اور مدینہ جا کر بیچ دیں۔ راس المال امیرالمومنین کو پہنچا دینا اور نفع آپ دونوں کا ہو گا۔ دونوں حضرات نے کہا کہ ہم بھی کچھ اسی طرح کا کام چاہتے تھے۔ چنانچہ ابو موسیٰ نے ایسا ہی کیا اور امیرالمومنین کو لکھ دیا کہ وہ مال ان سے وصول کر لیں۔ جب یہ دونوں مدینہ آئے تو انہوں نے مال فروخت کر کے نفع اٹھایا لیکن جب مال حضرت عمرؓ کو دیا تو انہوں نے پوچھا کہ کیا ابو موسیٰ نے لشکر کے ہر آدمی کو اس طرح مال پیشگی دیا تھا جس طرح تم کو دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ امیرالمومنین کے صاحبزادے ہونے کے ناطے انہوں نے تمہیں مال دیا۔ لہذا آپ لوگ مال بھی ادا کرو اور منافع بھی۔ اس پر عبداللہ تو خاموش رہے مگر عبیداللہ نے کہا۔ امیرالمومنین آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اگر مال کم ہو جاتا یا تباہ ہو جاتا تو ہم ذمہ دار بھی تو تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں ادا کرو۔ عبداللہ پھر خاموش رہے لیکن عبیداللہ نے وہی بات دہرائی۔ اس پر مجلس کے لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ امیرالمومنین آپ اس کو قراض قرار دے دیں تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ چلو میں قراض قرار دے دیتا ہوں چنانچہ حضرت عمرؓ نے اصل مال اور آدھا منافع لے لیا اور نصف منافع دونوں بھائیوں نے وصول کیا۔

وضاحت.... یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ اس میں انہوں نے جو گرفت کی ہے وہ حضرت ابو موسیٰ الاشعری کی اس عنایت پر کی ہے جو انہوں نے خاص حضرت عمرؓ کے صاحبزادوں پر کی۔ یہ چیز تہمت کا موقع پیدا کرنے والی تھی۔ امیرالمومنین کے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے اقربا پرستی کا الزام آتا تھا۔

فقہ کی رو سے اس معاملے میں کوئی خرابی نہیں۔ ابو موسیٰ اشعری کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال بحفاظت امیرالمومنین تک پہنچ جائے کیونکہ یہ امیرالمومنین کے گھر کے لوگ تھے اور مال پہنچانے کے ضامن تھے۔ انہوں نے ان کے ذریعے مال بھیجنے کو زیادہ قابل اعتماد پایا ہو گا۔ ان کی یہ خواہش بھی تھی کہ اس طرح ان لوگوں کو نفع بھی حاصل ہو جائے۔ یہ طریقہ خلاف شریعت نہ تھا۔ البتہ یہ طرز عمل ہر قسم کے

شک اور تہمت سے بالا نہ تھا۔ اس واقعہ سے امیرالمومنین کی پوزیشن پر حرف رکھا جا سکتا تھا۔ لہذا حضرت عمرؓ نے اصرار کیا کہ میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔

اس واقعہ کو موجودہ زمانے پر منطبق کرنا صحیح نہیں۔ آج کل تو مال بھیجنا کوئی مسئلہ نہیں لیکن اس زمانے میں یہ ایک مسئلہ تھا۔ ڈاک اور بنک کا انتظام جیسا آج ہے اس زمانے میں نہ تھا۔ مال بحفاظت منزل مقصود تک پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ امیرالمومنین کے صاحبزادوں کی ضمانت پر مال کی ترسیل کو حضرت ابو موسیٰ نے غنیمت سمجھا۔ اس تناظر میں ان کا طرز عمل بھی درست تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو جو اعتراض تھا وہ صرف یہ تھا کہ اس طرح امیرالمومنین کے صاحبزادوں کو دوسرے لوگوں پر غیر ضروری ترجیح مل رہی تھی۔ جب اہل مجلس میں سے کسی صاحب نے معاملے کو قراض قرار دینے کی راہ نکال دی تو حضرت عمرؓ کی پریشانی ختم ہو گئی۔

اس واقعہ اور حضرت عمرؓ کے فیصلہ سے یہ معلوم ہوا کہ امانت کا مال تجارت میں لگایا جا سکتا ہے۔ یتیموں کا مال بھی تو امانت ہوتا ہے۔ اس کو تجارت میں لگانا جائز ہی نہیں بلکہ احسن ہے۔ یتامیٰ کے مال کے متعلق آنحضرتؐ کی ہدایت ہے کہ اس سے تجارت کرو تاکہ زکوٰۃ اس کو ختم نہ کر دے۔ اس لحاظ سے بھی ابو موسیٰ اشعری کا فعل ٹھیک تھا۔ ان کے اوپر مال کے پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی اور اس کی ضمانت انہوں نے دونوں اصحاب سے لے لی۔

اس روایت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے قراض کی شرعی حیثیت کو درست قرار دیا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔ لہذا یہ طریقہ جاہلیت کی طرح اسلام میں بھی ہے اور اس پر کوئی شرعی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

حدثنی مالک عن العلاء بن عبد الرحمن عن ابیہ عن جدہ ان عثمان بن عفان اعطاہ مالا قراضا یعمل بہ علی ان الربح بینھما۔

ترجمہ.... علاء بن عبدالرحمٰن اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان نے ان کو مال مضاربت پر دیا کہ وہ اس سے تجارت کریں اور منافع دونوں میں برابر تقسیم ہو گا۔

وضاحت.... اس روایت میں دو صحابہ کرام کا اثر ہے۔ قراض کے ضمن میں کوئی نص قطعی قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ معاملہ کی یہ صورت میرے نزدیک اسی بنیاد پر درست ہے جس پر اولیاء یتامیٰ کو اجازت ہے کہ وہ یتامیٰ کے مال سے تجارت کر کے ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اس پر اجماع بھی ہے اور کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔

کتاب المساقاۃ

حدثنا یحیی عن مالک عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیہود خیبر یوم الفتح اقرکم فیہا ما اقرکم اللہ عزوجل علی ان الثمر بیننا و بینکم قال فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبعث عبد اللہ بن رواحہ فیخرص بینہ و بینہم ثم یقول ان شئتم فلکم: وان شئتم فلی فکانوا یاخذونہ۔

ترجمہ۔ سعید بن المسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کو فتح کیا تو یہود خیبر سے کہا کہ میں تم کو یہاں ٹھہرنے کی اس وقت تک مہلت دوں گا جب تک اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ٹھہرانا چاہے۔ شرط یہ ہو گی کہ پھل ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی تقسیم ہو گا۔ رسول اللہ عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا کرتے اور وہ آپ کے اور یہود کے درمیان تخمینہ سے پھل تقسیم کرتے۔ وہ یہود سے یہ کہتے کہ چاہو تم لے لو اور چاہے میرے لئے چھوڑ دو۔ تو یہود اس کو لے لیتے تھے۔

وحدثنی مالک عن ابن شہاب عن سلیمان بن یسار ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یبعث عبد اللہ بن رواحہ الی خیبر فیخرص بینہ و بین یہود خیبر، قال فجمعوا لہ حلیا من حلی نسائہم، فقالوا لہ ھذا لک وخفف عنا و تجاوز فی القسم، فقال عبد اللہ بن رواحہ یا معشر الیہود واللہ انکم لمن ابغض خلق اللہ الی وما ذاک بحاملی علی ان احیف علیکم فاما ما عرضتم من الرشوۃ فانہا سحت وانا لا ناکلہا، فقالوا بہذا قامت السموات والارض۔

ترجمہ۔ ابن شہاب سلیمان بن یسار سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہ کو خیبر بھیجا کرتے تھے۔ وہ آپ کے اور یہود کے درمیان پھل کا تخمینہ کرتے تھے۔ یہود نے اپنی عورتوں کے زیورات جمع کئے اور ان کے پاس لے آئے کہ یہ قبول کر لو اور ہمارے ساتھ رعایت کرو اور تقسیم میں سختی نہ کرو۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ نے کہا کہ اے یہود، اللہ کی قسم تم میرے نزدیک اللہ کی مبغوض ترین مخلوق ہو، تاہم یہ بات بھی مجھے اس پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمہارے ساتھ کوئی ناانصافی کروں۔ اپنی یہ رشوت جو تم نے پیش کی تو یہ مال حرام ہے۔ ہم اسے نہیں کھاتے۔ اس پر یہود پکار اٹھے کہ اسی عدل پر آسمان اور زمین قائم ہیں۔

وضاحت۔ یہ دونوں روایات ابن شہاب سے ہیں۔ پہلی روایت مرسل ہے۔ ان روایات میں ایک

مشکل ان کا یہ بیان ہے کہ آنحضرتؐ عبداللہ بن رواحہ کو ہر سال خیبر بھیجا کرتے تھے جب کہ دوسری روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ صرف ایک ہی مرتبہ خیبر گئے۔

پہلی روایت میں یہود کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جس گفتگو کا حوالہ ہے یہ واقعہ فتح خیبر کے موقع پر پیش آیا۔ جنگ میں یہود کو شکست ہوئی تو نبیؐ نے ان کو خیبر سے نکلنے کا حکم نہیں دیا۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو اس معاملہ میں وحی کے ذریعے کسی واضح حکم کا انتظار تھا۔ لہٰذا آپ نے ان سے یہ کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ اس سرزمین پر تمہیں رہنے دے اس وقت تک ہمارے اور تمہارے درمیان زمین کی پیداوار برابر تقسیم ہوا کرے گی۔ گویا آپ نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو مفتوح اہل ذمہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس میں کسی ناانصافی کا کوئی شائبہ نہ تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقریباً چالیس ہزار وسق کھجور کی تقسیم کا معاملہ تھا۔ اس میں مشکل یہ پیش آتی تھی کہ جب تک کھجور کی یہ مقدار پک کر تیار نہ ہو جائے اور اتر نہ جائے تو اس کی نگرانی کیسے کی جائے۔ اگر یہود پر اعتماد کیا جاتا تو وہ اس کو ویسے ہی ٹھکانے لگا لیتے۔ لہٰذا اس کی شکل یہ اختیار کی گئی کہ درختوں پر ہی پھل کا تخمینہ کر لیا جاتا اور اس مقدار کو برابر تقسیم کر لیا جاتا۔

روایت کی رو سے عبداللہ بن رواحہ درختوں پر پھل کی مقدار کا تخمینہ کرتے اور یہود کو پیشکش کرتے تھے کہ اگر چاہو تو تم لے لو اور اگر چاہو تو میں لے لیتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تم لے لو اور مسلمانوں کے حصے کے ضامن بنو اور اگر میں لوں تو تمہارے حصہ کا ضامن بنتا ہوں۔ تو یہود لے لیا کرتے اور مسلمانوں کے حصے کے ضامن ہوتے تھے۔ یہود نے عبداللہ بن رواحہ سے تخمینہ میں رعایت حاصل کرنے کے لئے اپنی عورتوں کے زیورات کی شکل میں رشوت دینی چاہی تو انہوں نے اس کو مسترد کر دیا اور کہا کہ یہ مال حرام ہے جسے مسلمان نہیں کھاتے۔ لیکن اطمینان رکھو کہ اگرچہ تم ایک مبغوض قوم ہو پھر بھی میں تم سے کوئی ناانصافی نہیں کروں گا۔ اس پر انہوں نے داد دی کہ اسی عدل کی وجہ سے آسمان اور زمین قائم ہیں۔

تخمینہ کے باب میں فقہا کا اختلاف ہے۔ احناف اور شوافع اس کو نہیں مانتے لیکن مالکیہ مانتے ہیں۔ احناف اس کو مزابنہ پر قیاس کرتے ہیں۔ وہ اس کو بیع میں داخل کرتے ہیں اور پھر بیع مجہول بالمجہول کے اصول پر اس کو رد کرتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک اس میں کوئی چیز بھی خلاف عقل نہیں اور یہ ایک ناگزیر عمل ہے۔ تخمینہ صرف خاص خاص حالات میں ہی اختیار کیا جاتا ہے جہاں اس کے سوا اور کوئی شکل ممکن ہی نہ ہو۔ اگر کوئی چیز ناپی جا سکتی، نہ تولی اور گنی جا سکتی تو تخمینہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ آنحضرتؐ نے تخمینہ کا استعمال زکوۃ کے مال میں کیا ہے تو زکوۃ کے مال سے مقدس مال اور کون سا ہو گا۔

اہل ظاہر نے تخمینہ کو صرف کھجور اور انگور تک محدود کر دیا ہے۔ اہل ظاہر کی اسی طرح کی باتیں ہیں جن کو کوئی عاقل نہیں مان سکتا۔ بہت سی بھس (توڑی) آپ بیچنا چاہتے ہیں تو ترازو لے کر تو نہیں بیٹھیں گے یا ایک بہت بڑی عمارت منہدم ہو رہی ہے۔ آپ اس کا ملبہ خریدنا چاہتے ہیں وہ نہ تولا جا سکتا نہ گنا جا سکتا۔ اس کو کھجور یا انگور پر کس طرح قیاس کر سکتے ہیں۔ بس یہی ایک تخمینہ کرنے کا طریقہ ہے جو مسئلے کا حل ہے۔ یہ عقلی بھی ہے اور فطری بھی۔ اس کے سوا کوئی دوسری شکل مسئلے کا حل نہیں ہو سکتی۔ خیبر کے معاملے کو بیع پر محمول کرنا درست نہیں کیونکہ کوئی چیز خرید یا فروخت نہیں کی جا رہی تھی بلکہ فصل کی بٹائی کا معاملہ طے کیا جا رہا تھا اور نہ ہی اس میں کوئی چیز مجہول ہے۔ درختوں پر پھل ہے یا غلے کی فصل ہے جو ابھی پک کر تیار نہیں ہے کہ اس کو تقسیم کر لیا جائے۔ تخمینہ ہی اس کا واحد قابل عمل حل تھا۔ جس میں فریقین کو برابر کا حق دیا گیا کہ چاہیں لے لیں چاہیں دے دیں۔

یہ بات بھی درست نہیں کہ آنحضرتؐ نے یہ معاملہ غیر مسلموں کے ساتھ کیا اس لئے یہ مسلمانوں کے لئے نظیر نہیں ہو سکتا۔ معاملہ کسی کے ساتھ بھی ہوا آپؐ نے مال کے متولی کی حیثیت سے کیا اور اس سے اس قسم کے ہر معاملہ میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

کتاب کراء الارض
(زرعی زمین کرایہ پر دینا)

حدثنا یحیی عن مالک عن ربیعۃ بن ابی عبد الرحمن عن حنظلۃ بن قیس الزرقی عن رافع بن خدیج ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن کراء المزارع۔ قال حنظلۃ فسالت رافع بن خدیج بالذھب والورق' فقال اما بالذھب والورق فلا باس بہ۔

ترجمہ .... حنظلہ بن قیس الزرقی رافع بن خدیج سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کا کرایہ لینے سے روکا ہے۔ حنظلہ کہتے ہیں میں نے رافع بن خدیج سے پوچھا کہ سونے چاندی کے بدلے میں ہو تب بھی؟ انہوں نے کہا سونے چاندی کے بدلے میں ہو تب کوئی حرج نہیں۔

وضاحت .... راوی خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا جو مطلب سمجھے ہیں وہ یہ ہے کہ روپے کے بدلے میں زمین کرایہ پر لینے میں کچھ حرج نہیں۔ لیکن ہمارے بعض دانشوروں نے اس حکم کو عام مان کر پہلے زمین کا کرایہ ناجائز قرار دیا پھر اسی کے ضمن میں مکانوں کا کرایہ بھی ناجائز قرار دے دیا۔ حالانکہ زمین کا

کوئی ایک یہی مصرف تو نہیں ہے کہ اس پر کاشت ہوتی ہے۔ زمین کے بے شمار مصرف ہیں۔ کارخانے اور سکول قائم کرنے' دھان خشک کرنے کی جگہ بنانے' بھیڑوں کے ریوڑ پالنے اور مرغی خانے یا دوسرے جانوروں کے فارمز بنانے کے لئے زمین درکار ہوتی ہے جو خریدی نہیں جاتی بلکہ کچھ عرصہ کے لئے کرایہ پر حاصل کی جاتی ہے۔ تو ان مقاصد کے لئے زمین کرایہ پر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔

کرایہ کی جو شکل قابل اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ زرعی زمین ایک مقررہ مقدار فصل کے بدلے کرایہ پر دی جائے۔ مثلاً مالک زمین یہ طے کر لیتا ہے کہ میں پیداوار میں سے پچاس من غلہ ہر فصل پر لے لیا کروں گا۔ معاملہ کی یہ شکل صحیح نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے متوقع مقدار میں غلہ پیدا ہی نہ ہو لیکن مالک زمین اپنا مقررہ حصہ لے لے گا۔ یہ صورت ضرر اور غرر کی ہے۔ اس مشکل کا حل میں پہلے بتا چکا ہوں کہ زمین کم از کم دو یا تین سال کے لئے دی جائے اور ایک تہائی سے زیادہ نقصان کی صورت میں مالک بھی نقصان برداشت کرے۔ تب اس معاملہ میں بھی کوئی قباحت نہیں رہ جاتی۔

احناف پیداوار کے بدلے زمین کرایہ پر دینے کے مخالف ہیں۔ ان کی مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ کرایہ زمین کی پیداوار میں سے لینے کی صورت میں پیداوار کا جھگڑا پیش آ سکتا ہے۔ میں نے اس کا جو حل بتایا ہے اس سے احناف کی علت مخالفت باقی نہیں رہتی۔ امام مالکؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ پیداواری جنس کی مقررہ مقدار کے عوض زمین کرائے پر دینا جائز نہیں۔ البتہ نقد پر معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ مکان اور زمین نقد کرائے پر لئے اور دیئے جا سکتے ہیں۔

(مرتبہ : سعید احمد)

انٹرویو

امین احسن اصلاحی

جماعتِ اسلامی اور تنظیمِ اسلامی سے میرا تعلق

ادارہ کے ایک رفیق ڈاکٹر منصور الحمید صاحب، جو آج کل سعودی عرب میں کام کر رہے ہیں، نے کچھ عرصہ قبل مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ، سے انٹرویو لیا جس میں بعض اہم موضوعات پر ان کے خیالات معلوم کئے اور ماضی میں ان کے بعض اقدامات کے بارے میں وضاحت چاہی۔ اس انٹرویو کا وہ حصہ جس میں دینی تنظیموں کے بارے میں مولانا کا موقف سامنے آتا ہے قارئین کی معلومات میں اضافہ اور ان کی دلچسپی کا باعث ہو گا۔ یہ حصہ افادہ عام کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کے سوالات ڈاکٹر صاحب ہی نے متعین کئے تھے۔ جوابات مولانا کے ہیں۔

ادارہ

سوال۔ آپ کہا کرتے ہیں کہ آپ جماعت اسلامی میں ایک حادثے کے طور پر شامل ہوئے۔ براہ کرم یہ بتایئے کہ شمولیت کے بعد سترہ سال تک جماعت سے وابستگی کی کیا وجہ رہی؟

جواب۔ اصلی حقیقت تو یہی ہے کہ میں جماعت میں اپنی خواہش اور ارادہ سے داخل نہیں ہوا، بلکہ داخل کر لیا گیا تھا۔ لیکن داخل ہونے کے بعد اتنی طویل مدت تک اس میں جو پڑا رہا تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جماعت کے اندر میری حیثیت ایک عام رکن کی نہیں تھی، بلکہ داخل ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد مولانا مودودی مرحوم نے مجھے اصرار، بلکہ مجبور کر کے مرکز میں بلا لیا اور جماعت سے متعلق بہت سی ذمہ داریاں میرے سپرد کر دیں۔ یہاں تک کہ علماء اور مشائخ کے اعتراضات کے جواب دینے کا بوجھ بھی میرے ہی اوپر ڈال دیا گیا۔ ان کاموں میں ہاتھ ڈال دینے کے بعد میرے لئے ہٹنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ اگر میں ہٹتا تو یہ محاذ سے فرار ہوتا اور میں یہ ننگ گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ مولانا مودودی یہ غلط نہیں کہتے تھے کہ انہوں نے جتنی ناز برداری میری کی ہے اتنی کسی کی بھی نہیں کی ہے۔ علاوہ ازیں جماعت کی مجلس شوریٰ میں

میری حیثیت ایسی تھی کہ مولانا مودودی میری تائید حاصل کئے بغیر اپنی کوئی بات اس سے منوا نہیں سکتے تھے۔ ایسے حالات میں کوئی وجہ نہیں تھی کہ میں جماعت سے الگ ہوتا۔ لیکن جب مولانا نے جماعت کے دستور کے خلاف ایسے اقدامات کئے جن کے بعد وہ ایک پیر بن گئے اور جماعت ان کے مریدوں کی جماعت بن کر رہ گئی تو مجھے اس سے الگ ہونے کے لئے ایک معقول عذر ہاتھ آ گیا اور میں اس سے الگ ہو کر اپنے ان کاموں میں لگ گیا جن کے لئے جماعت کے اندر ہوتے ہوئے، میں کوئی وقت نہیں نکال سکتا تھا۔

سوال۔ مولانا منظور نعمانی صاحب اور بعض دیگر احباب جماعت میں شامل ہونے کے کچھ ہی دیر بعد علیحدہ ہو گئے۔ مولانا منظور نعمانی صاحب علیحدگی کے بعد آپ سے سرائے میر اعظم گڑھ میں ملے تھے، اس وقت ان کی علیحدگی کی وجوہ کیا تھیں اور آپ کا ردعمل کیا تھا؟

جواب۔ مولانا نعمانی کے بیانات اور بعض تحریروں سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ جماعت کا امیر بن جانے کے بعد مولانا مودودی اپنے آپ کو بدل کر تقویٰ کے اس معیار کے مطابق بنا لیں گے جو اس کام کے لئے مطلوب ہے۔ لیکن ان کی یہ توقع پوری نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے وہ الگ ہو گئے۔ میرے دل میں مولانا نعمانی کے لئے بڑی عزت و محبت ہے، لیکن میں نے ان کے اس گمان کو محض ان کی سادہ دلی پر محمول کیا۔ مولانا مودودی سے متعلق میں نے اپنی رائے شروع ہی میں مولانا نعمانی سے عرض کر دی تھی اور میں اس پر اب بھی قائم ہوں۔ تقویٰ اول تو صبح و شام میں پیدا ہونے والی چیز نہیں اور ہو بھی تو میں خود اپنے آپ کو اس قابل نہیں پاتا کہ دوسروں کے تقویٰ کو ناپ سکوں۔

سوال۔ کیا جماعت اسلامی نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی؟

جواب۔ جماعت اسلامی، پاکستان کے قیام کی مخالف ہرگز نہیں تھی۔ مولانا مودودی نے متحدہ قومیت کے نظریہ پر جو تنقیدی مضامین لکھے وہ بہت شاندار تھے۔ البتہ پاکستان کے قیام کے بعد وہ اس خبط میں ضرور مبتلا ہو گئے تھے کہ اب پاکستان کی قیادت کے اصلی حق دار وہ ہیں، نہ کہ مسلم لیگی لیڈر، مزید برآں وہ اس خوش فہمی میں بھی مبتلا ہو گئے تھے کہ اب ملک ان کی قیادت کے خیر مقدم کے لئے بے چین ہے۔ میں نے ان کی یہ غلط فہمی دور کرنے کی بہتیری کوشش کی، لیکن مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔

سوال۔ جہاد کشمیر کے بارے میں جماعت کا موقف کیا تھا اور آپ کی اس ضمن میں کیا رائے تھی؟

جواب۔ کشمیر کے مسئلہ پر جب مولانا مودودی صاحب نے اظہار خیال کیا میں راولپنڈی میں تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے شوریٰ سے مشورہ کے بعد رائے ظاہر کی تھی، یا مشورہ کے بغیر۔ مجھے اخبارات سے صرف یہ اندازہ ہوا کہ وہ کشمیر میں پٹھانوں کی مداخلت کو ایک غیر منظم بھیڑ کی مداخلت خیال کرتے ہیں، اس وجہ سے اس کو جہاد کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں نے راولپنڈی سے خط لکھ کر ان کو توجہ دلائی کہ یہ جو کچھ

ہو رہا ہے حکومت پاکستان کے ایماء پر ہو رہا ہے اور موجودہ حالات میں یہی طریقہ ممکن ہے' لیکن میرا خط پہنچنے سے پہلے ہی وہ بھی گرفتار کر لئے گئے اور میں بھی راولپنڈی میں دھر لیا گیا۔

سوال ۔ ۱۹۴۸ء میں جماعت کے چند بزرگوں نے طالب علموں کی ایک تنظیم 'اسلامی جمعیت طلبہ کے نام سے قائم کی' اس وقت اس تنظیم کا قیام کس وجہ سے عمل میں لایا گیا تھا؟ کیا اس سے جماعت کی سیاسی قوت کو مضبوط کرنا مقصود تھا؟

جواب ۔ مجھے اچھی طرح یہ علم نہیں ہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ 'اصلا" کس مقصد کے لئے قائم کی گئی تھی' لیکن یہ بات میں خوب جانتا ہوں کہ جماعت اسلامی نے اس کو ہمیشہ اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ میں شروع ہی سے طلبہ کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا شدید مخالف رہا ہوں۔ میں نے جماعت کے لیڈروں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ آج ہمیں ان طلبہ کی تربیت اس طرح کرنی چاہئے کہ یہ مستقبل میں اسلامی نظام کی ذمہ داریاں سنبھال سکیں' لیکن جماعت کے لیڈروں نے میرا یہ نقطہ نظر قبول نہیں کیا۔ وہ مجھے یہ سمجھاتے رہے کہ یہی تو ہماری فوج ہیں' اگر ہم ان کو استعمال نہ کریں گے تو ہماری لڑائی کون لڑے گا؟ میں نے ان لوگوں سے یہ بھی کہا کہ آج آپ لوگ طلبہ کو جس طرح استعمال کر رہے ہیں میرے نزدیک یہ بچوں کے اغوا سے بڑا جرم ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ میں ان لوگوں میں سے کسی ایک شخص کے دل میں بھی اپنی بات نہ اتار سکا۔

سوال ۔ آپ نے ایک زمانے میں 'بعض علمائے کرام کے اعتراضات کے جواب میں' جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب کی مدافعت کی ہے' کیا آپ اب بھی اس کو حق بجانب سمجھتے ہیں؟

جواب ۔ میں نے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب مرحوم کی مدافعت میں جو مضامین لکھے ہیں در حقیقت اپنی مدافعت میں لکھے ہیں۔ ان اعتراضات کی زد جماعت میں ہونے کے سبب سے' مجھ پر بھی پڑتی تھی۔ اس وجہ سے میں نے جن اعتراضات کو غلط سمجھا ان کی تردید کی۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی بات مودودی صاحب کی بھی مجھے غلط معلوم ہوئی ہے تو میں نے اس کی بھی تردید کر دی ہے۔ مثلاً لام تملیک' تصوف اور تقلید کے بارے میں میں نے مودودی صاحب کی رائے کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اپنے ان مضامین کے بارے میں اب بھی میں وہی رائے رکھتا ہوں جو ان کے لکھنے کے وقت تھی۔ مودودی صاحب کی ذات اور ان کے کردار کے بارے میں میری رائے میں جو تبدیلی ہوئی ہے وہ ماچھی گوٹھ اور اس کے بعد کے حوادث کے باعث ہوئی ہے۔ خاص کر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے اپنی عمر کے آخری دور میں انہوں نے اپنے قدر دانوں سے جو فائدہ اٹھایا اس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اس سے پہلے مجھے اس بات پر کوئی ندامت نہیں تھی کہ میں نے ان کے ساتھ سترہ سال کیوں گزارے' لیکن اب میں اس پر شرم

محسوس کرنے لگا ہوں۔

سوال ۔ ۱۹۶۸ء میں رحیم یار خان میں ایک نئی تنظیم کے قیام کی کوشش کی گئی جو بالآخر کامیاب نہیں ہوئی۔ براہ کرم یہ بتایئے کہ اس نئی تنظیم کے قیام کا محرک کیا چیز تھی اور کیوں یہ کامیاب نہیں ہو سکی؟

جواب ۔ ۱۹۶۸ء میں جو تنظیم قائم کی گئی تھی اس کی تعمیر ہی میں خرابی کی صورت مضمر تھی۔ اس میں جو لوگ منصب قیادت کے اہل تھے ان سب کی نظر منصب امارت کے لئے مجھ پر تھی' لیکن میں امیر کی حیثیت سے کسی تنظیم کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ایک کارکن کی حیثیت سے تو کچھ خدمت کے لئے میں تیار تھا' لیکن اس بات پر آمادہ نہیں تھا کہ اپنی ساری قوت اس پر صرف کروں۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ میری عمر کا بڑا حصہ جماعت اسلامی کی نذر ہو چکا تھا اور میں اب تک اپنے اصل کام تفسیر تدبر قرآن کو مزید موخر کرنے کی بالکل گنجائش نہیں پاتا تھا۔ میں اس کام کو دوسرے تمام کاموں پر مقدم سمجھتا تھا۔ تنظیم کے رفقاء اس کو اتنی اہمیت نہیں دے سکتے تھے جتنی اس کی اہمیت میری نگاہوں میں تھی۔ میرے اندر یہ کمزوری بھی ہے کہ میں ایک وقت میں دل جمعی سے صرف ایک ہی کام کر سکتا ہوں۔

علاوہ ازیں جماعت اسلامی کے تجربہ سے گزرنے کے بعد اب میرے اندر کسی نئے تجربہ کے لئے حوصلہ باقی نہیں رہا تھا۔ جس طرح مذہبی فرقے ملت کے لئے فتنہ ہیں' جس طرح پیروں کی گدیاں فتنہ ہیں اسی طرح یہ دین کے نام پر بننے والی جماعتیں بھی ملت کے لئے فتنہ ہیں۔ انہوں نے ملت کے جسم سے گوشت کاٹ کاٹ کر اپنی اپنی دکانیں سجائی ہیں۔ ان میں سے کسی کے اندر بھی کوئی خیر نہیں ہے۔ صحیح طریقہ خدمت یہ ہے کہ پوری ملت اسلامیہ کو اپنا مقصود بنائیں اور ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے کو جس خدمت کا اہل پائے وہ خدمت انجام دے اور کسی پہلو سے اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو کہ وہ کسی اعتبار سے ملت سے کوئی ممتاز اور بالاتر فرد اور اس کی جماعت ہی دین کی حامل جماعت ہے۔

سوال ۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب علمی دنیا میں آپ کی وجہ سے روشناس ہوئے۔ بہت سے حلقوں میں ان سے اور ان کی تنظیم سے آپ کے تعلق کے بارے میں غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں' براہ کرم یہ بتایئے کہ ان کا کس حد تک آپ سے تعلق رہا ہے اور ان کی تنظیم اسلامی اور دیگر دینی سرگرمیوں کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

جواب ۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے متعلق آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں تو آپ کی نوازش ہو گی۔ جس وقت ان کے رخ سے ذرا پردہ ہٹانے کی ضرورت تھی میں نے ایک خط لکھ کر اور اسرار نامہ ☆ لکھوا کر یہ پردہ

☆ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پہلے انجمن خدام القرآن اور پھر تنظیم اسلامی بنائی تو ان دونوں اداروں کا محور ان کی ذات

بتا دیا تھا اب وہ خود عریاں ہو کر تمام خلق کے سامنے آ گئے ہیں' اب میرا کچھ کہنا محض تحصیل حاصل ہے۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ ان کی وجہ سے میرے متعلق کسی کو کوئی غلط فہمی نہیں ہے اور اگر کسی کے اندر کچھ ہے تو مجھے اس کی مطلق پروا نہیں ہے۔ اس دنیا میں بے وقوف بننے والے بھی پیدا ہوتے رہیں گے اور بے وقوف بنانے والے بھی۔ یہ کارخانہ اسی طرح چلتا آیا ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا یوں ہی چلتا رہے گا۔ شیطان نے قیامت تک کے لئے مہلت مانگی ہے اور یہ مہلت اس کو مل چکی ہے۔ آپ نو عمر آدمی ہیں اس وجہ سے آپ کو یہ سوانگ کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے' ہم بوڑھوں نے اپنی عمر میں اتنے تماشے دیکھے ہیں کہ اب کسی مداری کا کوئی کرتب بھی عجیب نہیں معلوم ہوتا۔ اللہ بڑا ہی حلیم ہے۔ اس قسم کے بوالفضولوں کو بھی مہلت دیتا ہے' لیکن بس چند دنوں کے لئے۔

سوال۔ بعض حضرات جماعت سازی کے حق میں بعض احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں' جن میں سے چند روایات یہ ہیں۔

(ا) **علیکم بالجماعة وایاکم والفرقة** (جامع الترمذی)
(تم پر لزوم جماعت فرض ہے اور انتشار سے بچو)

(ب) **امرکم بخمس بالجماعة والسمع والطاعة والهجرة والجهاد فی سبیل الله**
(میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ لزوم جماعت' سمع و طاعت' ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد)

(ج) **من فارق الجماعة شبرا فمات فمیتة جاهلیة**
(جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی الگ ہوا اور اس کی موت آ گئی تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔)

براہ کرام یہ بتائیے کہ ان احادیث کی توضیح اور موقع و محل کیا ہے؟

جواب۔ یہ حدیثیں سب صحیح ہیں۔ ان میں الجماعة سے مراد امت مسلمہ من حیث الجماعت ہے نہ کہ وہ ٹولیاں جو تفرقہ باز اور جاہل پمفلٹ فروش گلی گلی میں بناتے پھر رہے ہیں۔ اس الجماعة سے وابستگی لازمہ ایمان ہے۔ اس سے کٹ کر اپنی ایک الگ ٹولی بنانا تفریق ملت اور کفر ہے۔ سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت صرف مسلمانوں کا صاحبِ امر لے سکتا ہے۔ ہرا یرا غیرا یہ بیعت لینے کا مجاز نہیں ہے۔ ایک صحیح

تھی اور قواعد و ضوابط شرعی لحاظ سے بھی قابل اعتراض تھے۔ پھر انہوں نے اپنی ذات کو نمایاں کرنے کے لئے طویل مضامین لکھے جن میں ادعاء کا انداز واضح تھا۔ اس پر مولانا نے یہ رائے دی کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ سارا نظام قادیانیوں کی نقل اور ان کے دعووں کا رنگ مرزا صاحب کے دعووں جیسا ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب سخت جز بز ہوئے تو اسرار نامہ کے عنوان سے ایک پمفلٹ میں مولانا کے موقف کے حق میں شواہد ڈاکٹر صاحب کی اپنی تحریروں سے پیش کر دیئے گئے تھے۔
(ادارہ)

اسلامی حکومت میں اگر صاحبِ امر کے سوا کوئی دوسرا یہ بیعت لے تو صاحبِ امر اس کا سر قلم کرا سکتا ہے۔

سوال۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اقامت دین کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ منصوص ہے۔ لہٰذا جس طرح حضورؐ نے جماعت بنائی اسی طرح ہمیں بھی جماعت بنانی چاہئے۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ ہجرت و جہاد کے مراحل جماعت قائم کئے بغیر' کس طرح عمل میں آ سکتے ہیں؟

جواب۔ اقامت دین کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصوص طریقہ تو بے شک ہے' لیکن ان لال بجھکڑوں سے پوچھئے کہ کیا اس منصوص طریقہ کا آغاز سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت سے ہوتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کا جو طویل اور صبر آزما دور مکہ میں گزارا اس میں آپ نے لوگوں کے سامنے دین حق کی دعوت و شہادت پیش کی یا ان سے سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت کا مطالبہ کیا؟ ان سے پوچھئے کہ انہوں نے پیدا ہوتے ہی جو ہجرت و جہاد کی بیعت لینی شروع کی ہے تو کیا اس کی کوئی شہادت حضورؐ کی مکی زندگی میں ملتی ہے؟ اگر یہ دعوت کے اس منصوص طریقہ کی پیروی کے مدعی ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے تو انہوں نے حضور کی زندگی سے مکی دور کو کیوں خارج کر دیا؟ سمع و طاعت کی بیعت تو میں نے عرض کیا کہ صرف صاحبِ امر لے سکتا ہے' اگر کوئی دوسرا اس کی جسارت کرے تو وہ اسلام میں مستحق سزا ہے۔ ہجرت کا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب داعی دعوت و شہادت کا فرض ادا کر چکتا ہے اور قوم اس کی اور اس کے ساتھیوں کی جان کی دشمن بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اپنا ایمان اور اپنی جان بچانے کے لئے کسی اور سرزمین کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ اول تو یہ ضروری نہیں کہ ہر داعی کو لازماً یہ مرحلہ پیش آئے' کتنے انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کو یہ مرحلہ پیش نہیں آیا۔ تو آخر یہ حضرات ہجرت کے لئے اتنے بے تاب کیوں ہیں کہ انہوں نے اسی سے بسم اللہ کی ہے؟ کیا یہ دعوت اور شہادت کے فرض سے فارغ ہو گئے؟ کیا ان کے لئے یہ سرزمین اتنی تنگ ہو چکی ہے یا اس کا اندیشہ ہے کہ اتنی تنگ ہو جائے گی کہ ان کو امریکہ اور کینیڈا بھاگنا پڑے گا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ قبل از مرگ واویلا کیوں ہے؟ ابھی اطمینان سے دعوت کا کام کریں' کیا عجب کہ ان کے فیض سے یہی ملک دارالاسلام بن جائے۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوا تو کینیڈا کا مرکز اسلامی تو موجود ہی ہے۔ ☆

☆ مولانا کی توجہ شاید لال بجھکڑوں کے ان دعووں کی طرف نہیں ہوئی جو یہ اپنے کام کے بارے میں کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا معاملہ سامنے رکھئے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے زعم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے تمام مراحل پر درجہ بدرجہ عمل کر رہے ہیں اور ان کے مریدین بھی ان کی تحریک کے بارے میں یہی تصور رکھتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے تیرہ سالہ مکی دور نبوت کی نقل ڈاکٹر صاحب کی دعوت توبہ و رجوع الی القرآن' میں اتاری جا چکی ہے۔

ان ابوالفضولوں کو یہ بھی بتائیے کہ ہجرت اور جہاد کو مقصود بنا کر جماعت سازی کے بجائے معاشرہ کو اسلامی معاشرہ بنانے کی سعی کریں۔ ہجرت و جہاد کی حیثیت مقاصد کی نہیں' احوال و عوارض کی ہے۔ اگر اسلامی معاشرہ وجود میں آجائے گا تو وہ عوارض کا بدل خود پیدا کرلے گا۔

لیکن اگر صحیح معاشرہ ہی وجود میں نہ آسکا تو نہ ہجرت کا خطرہ پیش آئے گا نہ جہاد کا میدان گرم ہو سکے گا۔ جب تک اسلامی معاشرہ موجود نہیں' ہر مسلمان کی اصلی ذمہ داری اس معاشرہ کو وجود میں لانے کی جدوجہد کرنا ہے نہ کہ ہجرت و جہاد کے پروگرام بنانا اور عوام فریبی کے نعرے لگانا۔ معاشرہ کو مسلمان بنانے کے لئے اصل کام دعوت دین اور شہادت حق ہے اور یہ کام اس طرح انجام دینا ضروری ہے جس طرح حضرات انبیاء علیہ السلام نے انجام دیا۔ اس میں جو ترتیب اور تدریج ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی

یہ الگ بات ہے کہ اس کے وہ ثمرات حاصل نہیں ہوئے جو آنحضرتؐ نے حاصل فرمائے۔ مطلوبہ نتائج کے ظاہر ہونے کے انتظار میں ڈاکٹر صاحب اسی کام پر قانع رہتے تو دورِ نبوت کے ساتھ اپنے کام کی مماثلت قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔ لہذا تیرہ برس پورے ہونے پر وہ مدنی دور میں داخل ہو گئے۔ اس دور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ نے مسلمانوں پر ہجرت لازم کر دی اور جہاد کی دعوت دی تھی۔ اس دور میں آپ مسلمانوں سے سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت لیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بالفعل نہ سہی تصور میں چونکہ مدنی دور کے صاحب امر ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے بھی یہ بیعت لینی شروع کر دی۔ لوگ لاکھ چیختے رہیں کہ وہ یہ بیعت لینے کے مجاز نہیں لیکن اپنی سوچ کے مطابق تو وہ صاحبِ امر ہیں اور طابق النعل بالنعل وہی امر رسالت ادا کر رہے ہیں جس کی پیشگوئی اسرار نامہ میں کی گئی تھی۔ انہیں یہ بھی خطرہ درپیش ہے کہ اگر انہوں نے بیعتِ سمع و طاعت میں تاخیر کر دی تو ان کے پیچھے سے کہیں مدنی دور کھسک ہی نہ جائے۔ اگر ڈاکٹرؔ بالفعل صاحبِ امر نہیں یا ان کو ہجرت و جہاد کے مراحل پیش نہیں آرہے تو بیچارے کیا کریں۔ وہ اس انتظار میں اپنی منزل کھوٹی کرنے سے تو رہے!

مولانا کا یہ انٹرویو اس وقت کا ہے جب سمع و طاعت کی بیعت کا غلغلہ برپا تھا۔ آج کل یہ بیعت پس منظر میں جا چکی ہے اور نیا نعرہ ڈاکٹر صاحب نے تحریک خلافت کا لگایا ہے۔ بعض لوگ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کی اس بے وقت کی راگنی کا کیا تک ہے۔ دنیا میں کون اس خلافت کا منتظر ہے۔ ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ مدنی دور کے اختتام پر کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی دور اندیشی ہی نہیں نوازش بھی ہے کہ انہوں نے ابھی سے اگلے مرحلے --- خلافت --- کی نشان دہی کر دی ہے ورنہ دس سال پورے ہونے پر سقیفہ بنی ساعدہ' کا نتیجہ معلوم نہیں کیا برآمد ہوتا۔ توقع رکھنی چاہئے کہ ڈاکٹر صاحب جلد ہی اس نئے منصب کے لئے زمین ہموار کرلیں گے۔ اگر خلافت بالفعل قائم نہ بھی ہو سکی تو عالم تصور میں اس کا مزا چکھنے سے ان کو کون روک سکتا ہے؟ (ادارہ)

اور مدنی زندگی سے واضح ہوتی ہے۔ اس ترتیب کو اگر آپ نے الٹ دیا تو اس کی مثال یہ ہو گی کہ آپ بچوں کے سامنے وہ باتیں کرنی شروع کر دیں جو جوانوں یا بوڑھوں کے سامنے کرنے کی ہیں۔

میں پورے اعتماد کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ دنیا میں کسی نبی نے بھی اپنی جماعت ہجرت و جہاد کی اساس پر نہیں بنائی۔ بلکہ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ کتنے انبیاء علیہ السلام ایسے گزرے ہیں جن کو نہ ہجرت سے سابقہ پیش آیا' نہ جہاد بالسیف سے' حالانکہ انہوں نے جماعت بھی بنائی اور اسلام کی دعوت کا فریضہ بھی انجام دیا۔

سوال ۔ کیا نبی اور رسول کے اقامت دین کے طریق کار میں فرق ہے؟ ہمیں کس طریقے کی پیروی کرنی ہے اور کیوں؟

جواب ۔ نبی اور رسول کے طریق کار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر رسول لازماً نبی بھی ہوتا ہے۔ بس رسول اس اعتبار سے نبی سے مختلف ہوتا ہے کہ رسول اپنی قوم کے لئے آخری حجت اور فیصلہ کر دینے والی عدالت بن کر آتا ہے جبکہ نبی کی یہ حیثیت نہیں ہوتی۔ رسول کی قوم اگر اس کی تکذیب پر اڑی رہ جاتی ہے تو وہ اتمام حجت کے بقدر مہلت پانے کے بعد لازماً تباہ کر دی جاتی ہے۔ عام اس سے کہ وہ خدا کے قہر سے تباہ ہو یا رسول کے پیرؤوں کی تلوار سے۔ اسی طرح رسول کے لئے اپنے اعداء پر غلبہ حاصل ہونا لازمی ہے' عام اس سے کہ یہ غلبہ اس کو اس کی زندگی ہی میں حاصل ہو یا اس کی وفات کے بعد اس کے ساتھیوں کو حاصل ہو' لیکن نبی کے لئے ان امور کا ظہور ضروری نہیں ہے۔ کتنے انبیاء گزرے ہیں جن کی قوموں نے ان کو قتل کر دیا اور اس کے بعد بھی ان کی قوموں کو ڈھیل ملتی رہی۔

رہا یہ سوال کہ ہمیں کس کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنی چاہئے۔ آپ نبی بھی ہیں اور رسول بھی۔ آپ کی زندگی دونوں طریقوں کی جامع ہے۔ ہم کو پہلے اپنی قوم کے اندر دعوت اور شہادت کا فریضہ انجام دینا چاہئے جو ہر نبی نے اپنی قوم کے اندر انجام دیا ہے۔ اگر اسی میں ہماری زندگی تمام ہو جائے تو انشاء اللہ ہم کامیاب اور ماجور ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مکی زندگی میں یہی فریضہ انجام دیا۔ اور اگر اس سے آگے ہمیں ہجرت و جہاد اور اقامت دین کی سعادت بھی حاصل ہوتی ہے تو یہ نور علیٰ نور ہے' ہمیں اس مرحلہ کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے بھی سردھڑ کی بازی لگانی چاہئے۔ لیکن جو کام مقدم ہے اس کو مقدم رکھنا چاہئے' محض شیخی بگھارنے کے لئے موخر کو مقدم اور مقدم کو موخر نہیں کرنا چاہئے۔

سوال ۔ موجودہ حالات میں ایک عام مسلمان پر شہادت حق کی کیا ذمہ داری ہے اور اس کو کیسے ادا کرنا ہے؟

جواب۔ ایک مسلمان اگر ایک سچے مسلمان کی زندگی بسر کرتا ہے اور خواہ وہ عام شخص ہے یا خاص شخص، اپنے قول اور عمل سے ہر گام پر حق کی شہادت دیتا ہے، اس کے لئے کسی انجمن یا تنظیم کا ممبر ہونا ضروری نہیں ہے۔ ذی علم لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے علم سے دوسروں کو بہرہ مند کریں اور اس کے صلہ میں ان سے کچھ لینے یا ان سے اپنے پمفلٹ اور کیسٹ فروخت کروانے کے بجائے صرف یہ مطالبہ کریں کہ وہ اس علم پر خود عمل کریں اور جہاں تک ممکن ہو اس کو دوسروں تک پہنچائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریقہ اختیار فرمایا اور تمام داعیان حق نے ہمیشہ اس طریقہ کی پیروی کی۔ آج دعوت دین کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ دکان داری ہے اور اسی وجہ سے اس میں کوئی خیر و برکت بھی نہیں ہے۔

سوال۔ جو لوگ دینی خدمت آگے بڑھ کر کرنا چاہتے ہیں ان کو کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے؟

جواب۔ آگے بڑھ کر کام کرنے والوں سے اگر آپ کی مراد وہ لوگ ہیں جو لیڈر بن کر اقامت دین کرنا اور ہجرت و جہاد کی بیعت لینا چاہتے ہیں تو ان کے لئے میرا ناچیز مشورہ یہ ہے کہ وہ اس مہم کے لئے اٹھنے سے پہلے کسی ذی علم کی صحبت میں رہ کر دین کا علم حاصل کریں اور نمائشی لیڈروں کی ریس کرنے کی بجائے ان لوگوں کے نقش قدم کی پیروی کریں جنہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے زیادہ اپنی عملی زندگی سے حق کی شہادت دی ہے۔ اگر میرا یہ مشورہ ان کو منظور نہیں ہے تو وہ اپنے گلوں میں ڈھول ڈال کر پیٹتے پھریں، کچھ لونڈے ان کے اردگرد جمع ہو جایا کریں گے، پیسے بھی مل جائیں گے، کچھ دنوں یہ کھیل جاری رہے گا، پھر ٹائیں ٹائیں فش!

مقالات

خالد مسعود

غــزوۂ بدر

قریش کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی باقاعدہ جنگ غزوہ بدر ہے۔ یہ معرکہ ۱۷ رمضان ۲ھ کو پیش آیا جس میں ستر مشرکین مارے گئے اور اسی کے بقدر قیدی بنا لئے گئے۔ اس معرکہ نے قریش کی قوت اور حیثیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا اور کفر کے بڑے بڑے سرغنہ قتل ہو گئے۔ قرآن مجید نے اس جنگ کو یوم الفرقان یعنی حق اور باطل میں امتیاز کر دینے والی جنگ قرار دیا۔ حیرت کا مقام ہے کہ ایسے اہم معرکہ کو تاریخ نے کچھ ایسے پردوں میں لپیٹ دیا ہے کہ حقائق تک رسائی مشکل ہو گئی ہے اور ایسے سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا جواب نہیں ملتا۔

غزوہ کے اسباب :

مورخین نے غزوہ بدر کے اسباب میں حسب ذیل امور کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ سریہ عبداللہ بن جحش میں عمرو بن الحضرمی کے قتل اور عثمان اور الحکم کی اسیری نے قریش کو غضبناک کر دیا۔ قریش اس توہین کو برداشت نہ کر سکتے تھے۔ قتل کا انتقام یوں بھی عربوں کی سرشت میں داخل تھا۔ لہٰذا انہوں نے اس انتقام کے لئے تیاری شروع کر دی جس کے نتیجہ میں غزوہ بدر پیش آیا۔

۲۔ مدینہ اس گزرگاہ پر واقع ہے جو مکہ سے شام کو جاتی ہے۔ قریش کے تجارتی قافلے اسی راستے سے شام کو جاتے تھے۔ مسلمانوں نے مدینہ کے گرد و نواح کے قبائل سے حلیفانہ معاہدے کر کے اس بات کا امکان پیدا کر دیا تھا کہ قریش اس گزرگاہ کو استعمال کرنے کے لئے پروانہ راہداری حاصل نہ کر سکیں۔ یہ ان کی معیشت کی شاہ رگ کاٹنے کے ہم پلہ بات تھی جس پر جنگ ناگزیر ہو گئی۔

۳۔ نخلہ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت نے مسلمانوں کے اندر حصول مال کی مزید حرص پیدا کر دی۔

چنانچہ انہوں نے اب ایک بڑے کارواں کو تاکا جو شام سے مال تجارت لے کر مکہ کو لوٹنے والا تھا۔ اس ارادے کو قریش نے بھانپ لیا اور اپنے کارواں کی حفاظت کے لئے نکل پڑے۔

غزوہ بدر کے اسباب اگر یہی ہیں تو اس کو عام جنگوں سے ممیز کرنے والی وہ چیز کیا ہے جس کے باعث قرآن نے اس کو یوم الفرقان کا نام دیا ہے؟ دنیا داروں کی ہر جنگ کے عوامل سیاسی یا معاشی ہوتے ہیں۔ افراد کے قتل پر کئی جنگیں شروع ہوئی ہیں۔ کسی قوم کی معیشت کو خطرہ لاحق ہوا ہے تو اس نے ہتھیار اٹھالئے ہیں۔ کیا اللہ کے رسول بھی ایسے محرکات کے تحت لڑا کرتے ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے معقول جوابات سیرت نگاروں کے ہاں نہیں ملتے اور ضرورت ہے کہ غزوہ کے اصل محرکات کا پتہ چلایا جائے۔

ہمارے نزدیک بیان کردہ اسباب غزوہ بدر کے اصل اسباب نہیں ہیں۔ اس کی وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عمرو بن الحضرمی کا قتل اور عثمان اور الحکم کی گرفتاری قریش کے لئے توہین آمیز ضرور تھی اور اس کو لوگوں کے جذبات بھڑکانے میں بھی یقیناً استعمال کیا گیا لیکن اس کا انتقام لینے کے لئے ایک ہزار سپاہ تیار کرنا اور مدینہ پر فوج کشی کرنا بالکل غیر ضروری کارروائی تھی۔ عربوں کے دستور کے مطابق قصاص کا مطالبہ کیا جا سکتا تھا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں تعاون نہ کرتے تو مکہ میں رہ جانے والے بنی ہاشم سے خوں بہا طلب کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خاندان تھے اور عربوں کے دستور کے مطابق افراد کے افعال کا ذمہ داران کا قبیلہ گردانا جاتا تھا۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ کو ختم کرنے کے لئے خوں بہا ادا کرنے کی پیش کش بھی کی جس کو قریش نے قبول نہ کیا۔ بعد میں جنگ بدر سے پہلے قریشی سردار حکیم بن حزام نے رئیس مکہ عتبہ بن ربیعہ کو یہ تجویز پیش کی کہ وہ خود عمرو کا خون بہا ادا کر دے اور جنگ سے گریز کرے۔ اس نے اس مشورہ کو قبول کر لیا لیکن دوسرے سرداروں نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمرو کے قصاص کی واحد شکل جنگ ہی نہ تھی اور یہ کہ قریش سرداروں نے قصاص کے مسئلہ کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ اس کے امکانات پر غور کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

۲۔ شام کی گزر گاہ کے خطرہ میں ہونے کا سبب بھی غیر حقیقی اور محض واہمہ کی پیداوار ہے۔ جہینہ، بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے معاہدوں اور جنگ بدر کے مابین ایک سال کا عرصہ حائل ہے۔ اول تو ان معاہدوں کے الفاظ محفوظ ہیں اور ان میں قریش کے قافلوں کو روکنے کا کوئی ذکر نہیں۔ دوسرے، ایک سال کے عرصہ میں نہ تو قریش کو اس راستہ کے استعمال کے لئے کسی پروانہ راہداری کے حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی اور نہ ان کے کسی قافلہ کو رہ گذر کے استعمال کے حق سے روکا گیا۔ ان کے قافلے برابر اس شاہراہ سے گزرتے رہے۔ اگر مقصد گزر گاہ کے استعمال سے روکنا ہی ہوتا تو ایک سال کے عرصہ میں رکاوٹ کا اکا دکا واقعہ تو پیش آ ہی سکتا تھا۔ تیسرے، اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس دوران میں مسلمان ابھی اتنے قوی نہیں تھے کہ اس طرح کا کوئی

نوٹس دے سکتے تو غزوہ بدر میں کامیابی کے بعد جب ان کے حوصلے بے حد بلند ہو چکے تھے وہ یہ کارروائی کر سکتے تھے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعد کے سالوں میں بھی کسی تجارتی قدغن کا سراغ نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا مذکورہ سبب غزوہ محض واہمہ کی اختراع ہے۔

۳۔ نخلہ کے مال غنیمت سے مسلمانوں میں حرص تو جب پیدا ہوتی اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کارروائی کی تحسین کی ہوتی اور اہل سریہ کی پیٹھ ٹھونکی ہوتی۔ اس کے برعکس سیرت نگاروں کا بیان یہ ہے کہ آپ اس کارروائی سے ناخوش ہوئے اور مال غنیمت کو بھی ایک طرف ڈلوا دیا۔ اس کی تقسیم کی نوبت غزوہ بدر کے بعد پیش آئی۔ حضور کا یہ طرز عمل تجارتی قافلوں پر حملہ کی حوصلہ شکنی کرنے والا تھا نہ کہ ان پر اکسانے والا۔

شام سے لوٹنے والے کاروان تجارت پر حملہ کا خطرہ بھی وہم کی پیداوار ہے۔

اولاً، سریہ عبداللہ بن جحش سے قبل قافلہ لوٹنے کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ قریش کے تجارتی قافلے بلا روک ٹوک شام آیا جایا کرتے تھے۔ اس لئے کسی سابقہ تلخ تجربہ کے بغیر ابو سفیان قافلے کی سلامتی کے لئے متفکر نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر نخلہ میں پیش آنے والے واقعہ کی خبر ابو سفیان کو شام میں ایسے وقت میں نہیں مل سکتی تھی کہ وہ وہاں سے بروقت قریش کی مدد حاصل کرنے کے لئے آدمی بھیج سکتا۔ سریہ کے واقعہ اور جنگ بدر کے مابین ڈیڑھ ماہ کی مدت حائل ہے۔ مکہ سے شام تک کا سفر دو ہفتے سے کم مدت میں طے نہیں ہو سکتا تھا۔ گویا سریہ کی اطلاع ملنے پر اگر ابو سفیان نے اپنے ایلچی ضمضم بن عمرو کو شام سے روانہ کیا ہوتا تو وہ ماہ رمضان کے آغاز سے پہلے مکہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مکہ سے بدر جانے کے لئے لشکر کو ایک ہفتہ درکار ہوتا۔ آخر اتنے بڑے لشکر کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنا اور اس کی تیاری چند دنوں میں کر لینا کیسے ممکن ہو گیا جب کہ ہمہ وقت جنگ کے لئے تیار رہنے کی کوئی روایت قریش میں موجود نہ تھی۔ ماننا پڑتا ہے کہ ضمضم بن عمرو کو مکہ بھیجنے کی کارروائی کسی دوسرے منصوبے کا حصہ تھی جس کا تعلق سریہ عبداللہ بن جحش کی خبر سے نہ تھا۔

ثانیاً۔ قافلہ کی حفاظت اگر قریش کا مقصود ہوتی تو اس کے لئے چند سو افراد کا بھیجنا کافی ہوتا لیکن قریش نے جس بڑے پیمانے پر جنگ کی تیاری کی اور اس میں ہر شخص کی شرکت کو یقینی بنایا یہ اہتمام محض قافلے کی حفاظت کے مقصد سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہے۔

ثالثاً۔ اگر مسلمانوں کا ارادہ ابو سفیان کے قافلے کو لوٹنے ہی کا ہوتا تو وہ یہ کارروائی مدینہ سے شمال مغرب کی جانب کرتے جہاں قافلہ تک قریش کی کمک کے پہنچنے سے پہلے پہلے وہ اپنا مقصد حاصل کر لیتے۔ قافلہ لوٹنے کے لئے مکہ کی جانب بڑھنا حکمت عملی کے اعتبار سے سخت خطرناک تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس طرح کی فنی غلطی ناقابل تصور ہے۔

رابعاً۔ مورخین کے مطابق بدر پہنچنے سے پہلے مشرکین کو معلوم ہو چکا تھا کہ ابوسفیان قافلے کو ساحل سمندر کے راستے سے بحفاظت نکال کر مکہ کی طرف رواں دواں ہے اور اس کو مزید کسی تحفظ کی ضرورت نہیں۔ اگر قریش قافلے ہی کی خاطر آئے تھے تو اس اطلاع کے باوجود ان کا بدر جانے پر اصرار بلا جواز تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مقاصد کچھ اور تھے۔

ان نکات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ غزوہ بدر کی منصوبہ بندی میں شام سے آنے والا تجارتی قافلہ اصل عامل نہ تھا۔

غزوہ بدر کا اصلی سبب :

غزوہ بدر فی الحقیقت حق اور باطل کی قوتوں کا ٹکراؤ تھا۔ قریش مذہبی جوش و جذبہ کے ساتھ اللہ کے دین کو شکست دینے اور مسلمانوں کی قوت کو توڑنے کے عزم کے ساتھ مکہ سے نکلے تھے اور مسلمان اس دین کو سربلند اور باطل کو نابود کرنے کے لئے میدان میں آئے تھے۔ اس کے شواہد تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں۔ پہلے قریش کے ہاں صورت حال دیکھیے۔

۱۔ جنگ کی تیاری میں قریش نے مکہ کے ہر کنبے کو شریک کیا اور لشکر کو اسلحہ سے لیس کرنے کے لئے ان سے ہتھیار، مال، جنس ہر قسم کا تعاون حاصل کیا۔ اس مہم میں گویا پوری قوم شریک ہوئی۔

۲۔ یہ اہتمام کیا گیا کہ کوئی قابل ذکر آدمی جنگ سے پیچھے نہ رہے۔ ایسی نفسیاتی کیفیت پیدا کر دی گئی کہ پیچھے رہ جانے والوں کو سخت بدنامی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ سردار قریش عتبہ بن ربیعہ کا ارادہ جنگ میں شامل ہونے کا نہ تھا لیکن اس کو اس قدر مطعون کیا گیا کہ اس کے بیٹے شیبہ نے کہا۔ ان فارقنا قومنا کان ذلک سبۃ علینا "اگر آج ہم اپنی قوم سے علیحدہ رہے تو یہ چیز ہمیشہ کے لئے ہماری بدنامی کا باعث بن جائے گی۔" ابولہب جنگ میں شرکت سے گریزاں تھا۔ ابوجہل اس کے پاس گیا اور کہا **قم اباعتبۃ فواللہ ما خرجنا الا غضبا** " **لدینک و دین ابائک** "ابو عتبہ اٹھو، اللہ کی قسم ہم صرف تمہارے اور تمہارے آباء کے دین کی حمیت میں نکل رہے ہیں"۔ اس پر ابولہب نے اپنی جگہ العاص بن ہشام بن المغیرۃ کو نامزد کیا اور اس خدمت کے بدلے اپنا وہ قرض معاف کر دیا جو العاص کے ذمہ تھا۔ امیہ بن خلف بھاری جسم کا آدمی تھا۔ اس نے جنگ کے لئے نکلنے سے معذوری ظاہر کی لیکن ابوجہل نے اس کو غیرت دلائی کہ اے ابوصفوان، آپ تو اس وادی کے باشندوں کے سردار ہیں۔ جب لوگ دیکھیں گے کہ آپ نے گھر پر رہنا ہے تو دوسرے لوگ بھی نہیں نکلیں گے۔ ابوجہل برابر اس کے پیچھے پڑا رہا یہاں تک کہ اس نے کہا کہ اچھا اگر تم مجھے الزام دیتے ہو تو اللہ کی قسم میں

مکہ کا اصیل ترین اونٹ خرید کر اس پر تمہارے ساتھ چلوں گا۔

۳۔ قریش سرداروں نے اس قومی مہم کے دوران پورے لشکر کی ایک ایک دن کی ضیافت کا ذمہ اٹھایا۔ اس سلسلہ میں ابوجہل، امیہ بن خلف، سہیل بن عمرو، شیبہ، عتبہ، عباس بن عبدالمطلب، ابوالبختری، نبیہ بن الحجاج اور منبہ بن الحجاج کے نام نقل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کو ایک قومی جنگ کا درجہ حاصل تھا۔ لشکر کے ہمراہ دف بجا بجا کر گانے والیاں بھی تھیں جو مسلمانوں کی ہجو کے گانے گاتیں اور مشرکین کو خوش رکھتی تھیں۔

۴۔ قریش کو بنوبکر کے ساتھ اپنی دشمنی کے سبب سے یہ اندیشہ ہوا کہ بدر جاتے ہوئے یہ قبیلہ ان کے عقب سے حملہ آور نہ ہو جائے۔ چنانچہ سفارتی ذرائع سے اس بات کو یقینی بنایا گیا کہ وہ اس مرحلے پر کوئی معاندانہ کارروائی نہیں کریں گے۔ ظاہر ہے کہ قریش اگر صرف قافلے کی حفاظت کے لئے جا رہے تھے تو ان کو ایسی فکر لاحق نہ ہوتی۔

۵۔ مکہ سے نکلتے ہوئے مشرکین نے کعبہ کے پردے پکڑ کر یہ دعا کی کہ "اے اللہ، دونوں لشکروں میں سے جو برتر ہے، دونوں گروہوں میں سے جو زیادہ معزز ہے اور دونوں قبیلوں میں سے جو بہتر ہے، اس کی نصرت فرمانا"۔ یہ دعا انہوں نے اس یقین کی بنا پر کی کہ وہ مسلمانوں کے بالمقابل اپنی حیثیت کو بہرحال افضل و برتر مانتے تھے۔

۶۔ جنگ بدر سے پہلے کی رات ابوجہل نے یہ دعا کی کہ "اے اللہ، اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے رشتوں کو کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ ہمیں وہ پیغام دیتا ہے جس سے ہم ناواقف ہیں۔ اے اللہ کل تو اس کو ہلاک کر"۔ ابوجہل کی یہ دعا بھی اس جوش و جذبہ کی عکاسی کرتی ہے جس کے ساتھ قریش میدان میں اترے تھے۔

ان تمام واقعات میں قافلہ تجارت کے تحفظ کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ قافلے کے حوالے سے یہ باتیں بالکل بے جوڑ ہیں۔ حقیقت میں قریش اپنے آبائی دین کی نصرت کے جذبہ سے سرشار ہو کر مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکل رہے تھے اور اسی مقصد کے لئے دعائیں ان کے لبوں پر تھیں۔

جہاں تک مسلمانوں کے کیمپ کا تعلق ہے ہمارے ابتدائی سیرت نگاروں نے ان کے مدینہ سے نکلنے کا مقصد تجارتی قافلے پر حملہ آور ہونا ہی بیان کیا ہے۔ یہی بات متاخرین نے اس کثرت سے دہرائی ہے کہ اب اسی کو حقیقت سمجھا جانے لگا ہے۔ حالانکہ متعدد شواہد اس بات کے حق میں ہیں کہ حضورؐ کے مدینہ سے نکلنے میں بھی قریش کے لشکر کے ساتھ جنگ ہی پیش نظر تھی۔ مندرجہ ذیل حقائق پر غور کیجئے۔

۱۔ حضورؐ نے بدر کے لئے اپنی روانگی سے دس دن قبل دو صحابہ طلحہؓ بن عبید اللہ اور سعیدؓ بن زید کو

تجارتی کارواں کی خبرلانے کے لئے بھیجا تو ضرور' لیکن ان کی واپسی یا ان کی جانب سے کسی اطلاع یا کاروان کی خبرلانے کے لئے کوئی متبادل انتظام کے بغیر آپ نے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ طلحٰ اور سعید جب مہم سے واپس آئے تو حضورؐ بدر کو جا چکے تھے۔

۲۔ مورخین کہتے ہیں کہ ابتدائی مہمات میں کبھی انصار کو ساتھ نہیں لیا گیا تھا لیکن اس مہم میں مہاجرین و انصار کی پوری جمعیت ساتھ تھی۔ اس میں چھیاسی مہاجرین' اکسٹھ قبیلہ اوس اور ایک سو ستر قبیلہ خزرج کے انصار شامل تھے۔ نیز نو عمر بچے تک لشکر میں شامل ہوئے' اگرچہ ان کو ساتھ جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ معلوم ہوتا ہے جس طرح قریش نے اپنی پوری نفری کو ساتھ لے کر چلنے کا اہتمام کیا اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تمام قابل جنگ مسلمانوں کو ساتھ لیا۔ سیرت نگاروں کا ایک بیان اگرچہ یہ بھی ہے کہ جنگ بدر کے لئے نفیر عام نہ تھی اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ان پر کوئی نکیر نہ کی گئی لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ پیچھے رہ جانے والے لوگ کون سے تھے۔ جن آٹھ آدمیوں کے نام وہ لیتے ہیں ان کو مختلف ذمہ داریوں کے باعث حضورؐ نے خود مدینہ میں رہنے کی ہدایت فرمائی تھی اور مال غنیمت میں سے ان کو حصہ دیا تھا۔ لہٰذا سیرت نگاروں کا مذکورہ قول قابل قبول نہیں۔

جنگ سے قبل حضورؐ کی یہ دعا تمام مورخین نے نقل کی ہے کہ "اے اللہ' اگر تو نے آج اہل اسلام کے اس مختصر گروہ کو ہلاک ہونے دیا تو زمین میں تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا"۔ اس دعا کے الفاظ سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ آپ نے اپنا تمام سرمایہ پیش کر دیا تھا ورنہ یہ دعا موزوں نہ ہوتی۔ اس وقت آپ کے پیش نظر تجارتی قافلہ نہیں بلکہ قریش کا مسلح لشکر ہی تھا۔

۳۔ ذوالعشیرہ کی مہم کے دوران آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ابوسفیان کے قافلہ کا محافظ دستہ صرف تیس یا چالیس گھوڑ سواروں پر مشتمل ہے۔ اس کے مقابلے کے لئے اول تو گھوڑ سوار ہی موزوں ہو سکتے تھے اور معلوم ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں صرف دو صحابہ کے پاس گھوڑے تھے۔ دوسرے غزوہ بدر میں پیدل فوج کی تین سو سے زیادہ نفری تھی جبکہ قافلہ سے مقابلہ کے لئے اس قدر نفری کی ضرورت نہ تھی۔ دوسرے الفاظ میں جس طرح قریش کی فوج محض قافلہ کی حفاظت کے نقطہ نظر سے بہت زیادہ غیر متناسب تھی اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج قافلہ لوٹنے کے مقصد سے بہت زیادہ تعداد میں تھی۔

۴۔ مدینہ سے نکلتے وقت لوگوں میں جہاد اور شوق شہادت کا جذبہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ وہ لشکر سے مقابلہ کو پیش نظر رکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ بچوں تک کی کوشش رہی کہ انہیں جنگ میں شرکت کا موقع ملے۔ مثلاً عمیرؓ بن ابی وقاص نے نو عمری کے باوجود شرکت کی اور شہید ہوئے۔ اسی طرح خیثمہؓ اور ان کے بیٹے سعد بن خیثمہؓ میں سے ایک کا گھر پر موجود رہنا ناگزیر تھا۔ باپ نے بیٹے کو روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے کہا'

اگر حصول جنت کا معاملہ نہ ہوتا تو میں اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتا۔ اب میں شہادت کی توقع لے کر جا رہا ہوں' مجھے جانے دیجئے۔

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر بیئرابی عنبہ کے مقام پر لشکر کا معائنہ کیا اور چند بچوں' عبداللہ بن عمرؓ' اسامہ بن زید' رافع بن خدیجؓ' براء بن عازب' زید بن ثابت' اسید بن حضیر اور زید بن ارقم کو ان کی کم عمری کے باعث مدینہ واپس کر دیا۔ ظاہر ہے کہ آپ مشرکین کے ساتھ جنگ کو ناگزیر دیکھ رہے تھے اور صرف جنگ کے لئے موزوں افراد کو ساتھ لینا چاہتے تھے۔

۶۔ عرب میں رواج تھا کہ بعض لوگ مال غنیمت کے لالچ میں دوسروں کی جنگوں میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ اسی رواج کے تحت دو مشرک بہادروں' خیبب بن سیاف اور قیس بن محرث نے جنگ میں شرکت چاہی تو حضورؐ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا شخص نہیں جائے گا جو ہمارے دین پر نہ ہو۔ اس ممانعت کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ آپ کفر اور اسلام کے اس معرکے کو عام جنگوں پر قیاس نہیں کر رہے تھے۔

۷۔ سورہ انفال میں بطور مقصد جنگ ارشاد فرمایا ہے کہ **لیحق الحق بکلماتہ ویقطع دابر الکافرین** ۔ "تاکہ اللہ اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹے"۔ کسی طاقتور گروہ کی جڑ کاٹنے کا مقصد اس کے ایک قافلہ کا مال لوٹ لینے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کا امکان اگر ہو سکتا ہے تو اس کے مسلح لشکر کی ہزیمت سے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی اسکیم میں لشکر کی ہزیمت اور قریش کی لیڈر شپ کا استیصال مد نظر تھا۔

تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ شام سے قریش کے کاروان کی واپسی کے وقت نے مسلمانوں اور مشرکین دونوں میں سخت جذباتی و نفسیاتی کیفیات پیدا کیں اور دونوں گروہوں کو بالمقابل لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے وقت ہی نے غلط فہمیوں کو بھی جنم دیا جس کے باعث بدر میں حق و باطل کے اس عظیم معرکہ کی نوعیت کو سمجھنے میں لوگوں سے بے حد کوتاہی ہوئی۔

تجارتی قافلہ کا اہم کردار :

معاملہ کی صحیح نوعیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ابوسفیان نے یہ سنا کہ مکہ سے شام کو جاتے ہوئے ذوالعشیرہ سے اس کے گزرنے کے جلد بعد مسلمانوں کی ایک بڑی جمعیت وہاں پہنچی تو اس کو یہ وہم ہوا کہ ہو نہ ہو اس کے پیش نظر مقصد اس کے کاروان کو لوٹنا تھا اور اب اگر وہ بچ کر آ گیا ہے تو ممکن ہے واپسی پر پھر مسلمان گھات میں ہوں اور کاروان کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ اس نے اس خطرے کی پیش بندی کے

لئے ایک شخص ضمضم بن عمرو کو شام سے مکہ بھیجا اور قریش سے حفاظتی دستہ بھیجنے کی درخواست کی۔ ضمضم جب مکہ پہنچا تو اس وقت سریہ عبداللہ بن جحش کا واقعہ نیا نیا پیش آ چکا تھا لہٰذا قریش کو یہ موہوم خطرہ ایک حقیقت نظر آنے لگا۔ چنانچہ بعض کفار نے یہ کہا بھی کہ مسلمانوں کو غلط فہمی ہے کہ وہ نخلہ کا واقعہ پھر دہرا سکیں گے۔ قریش سرداروں نے اس خطرہ کو لوگوں میں غیرت بیدار کرنے کے لئے استعمال کیا لیکن اسکیم انہوں نے یہ بنائی کہ کاروان کی حفاظت کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کا کانٹا ہمیشہ کے لئے نکال دیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے تیاری بڑے پیمانے پر کی جو ان کے اصل مقصد جنگ سے مطابقت رکھتی تھی۔

ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو رویا میں یہ دکھایا کہ ایک طرف سے تجارتی کاروان آ رہا ہے اور دوسری طرف سے قریش کا لشکر۔ مسلمانوں کو نکلنے کا حکم دو۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مشرکین کے ان دو گروہوں میں سے ایک پر مسلمانوں کو غلبہ عطا کیا جائے گا۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو جمع کر کے تقریر کی جس میں اپنی رویا کی روشنی میں دونوں احتمالات ان کے سامنے رکھے اور جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ چونکہ لشکر کے ساتھ مقابلہ سخت تر تھا اس لئے آپ نے تیاری میں اسی کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ مسلمان سخت مصیبت زدہ اور غریب و محتاج تو تھے ہی' ان میں سے بعض کی خواہش ہوئی کہ انہیں اس بے سروسامانی میں لشکر سے پنجہ آزمائی نہ کرنی پڑے اور کاروان تجارت ان کے قبضہ میں کر دیا جائے۔ دوسرے صحابہ کو اس اطلاع میں کفر و اسلام کا معرکہ نظر آیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب باطل کی شکست کا وعدہ پورا ہونے کے دن آ گئے۔ سیرت نگار اسی صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فانتدب الناس فخف بعضهم و ثقل بعضهم و ذلك لانهم لن يظنوا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلقى حربا

"پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ پر ابھارا تو ان میں سے بعض نے اس کو معمولی سمجھا لیکن دوسروں نے اس کی گرانی محسوس کی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ لوگوں کا گمان یہ نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ کی نوبت پیش آئے گی"۔ ہمارے نزدیک یہ مسلمانوں کے دو گروہوں کی نفسیاتی کیفیت کا بیان ہوا ہے۔ ایک گروہ نے معاملے کی سنگینی کو سمجھا اور سنجیدگی سے اس کی تیاری کی۔ دوسرے لوگ قافلے سے مڈبھیڑ کی خوش فہمی میں مبتلا رہے اور انہوں نے جنگ کے امکان کو بعید از قیاس سمجھا۔ اتفاق سے قدیم ترین سیرت نگاروں نے جو روایات جمع کی ہیں وہ موخر الذکر گروہ کے نقطہ نظر کی نمائندہ روایات ہیں' اس لیے پہلے نقطہ نظر کو مورخین کے ہاں زیادہ پذیرائی نہیں ہوئی حالانکہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نقطہ نظر کے حامل لوگوں کی اکثریت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رویا کی روشنی میں احتمالات تو دونوں لوگوں کے سامنے رکھے لیکن

اپنے تمام اقدامات سے یہ ظاہر کیا کہ آپ لشکر کے ساتھ مقابلہ کو پیش نظر رکھ رہے ہیں۔ یہی بات آپ کے منصب کے مطابق تھی کہ آپ زیادہ مشکل صورت حال کو مد نظر رکھتے۔ چنانچہ آپ نے لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ اس پر وہ لوگ جو قافلے کے ساتھ مڈبھیڑ کے خواہشمند تھے سخت پریشان ہوئے اور حضورؐ کے ساتھ تکرار کرنے لگے کہ یہ وقت کسی بڑے مقابلہ کے لئے موزوں نہیں ہے۔ اسی گروہ کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

كما اخرجك ربك من بيتك بالحق وان فريقا من المومنين لكارهون يجادلونك فى الحق بعدما تبين كانما يساقون الى الموت وهم ينظرون (انفال ۶۵)

"اسی طرح کی بات اس وقت ظاہر ہوئی جب تمہارے رب نے ایک مقصد کے ساتھ تم کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ کو یہ بات ناگوار تھی۔ وہ تم سے امر حق میں جھگڑتے رہے باوجودیکہ حق ان پر اچھی طرح واضح تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں۔"

بئر ابی عنبہ میں لشکر کے جائزہ کے بعد آپ نے بدر کی جانب کوچ کا حکم دیا کیونکہ یہی وہ مقام تھا جہاں پر شام اور مکہ کا راستہ یکجا ہوتا تھا اور قریش کے دونوں گروہوں میں سے کسی ایک کا سامنا ہو سکتا تھا۔ آپ نے یہ سفر نہایت تیزی سے طے کیا اور راستے میں جو شخص ملتا اس سے قافلے اور لشکر دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ چونکہ ابھی تک صورت حال واضح نہیں تھی اس لئے مسلمانوں میں سے بعض اسی خیال سے سفر کر رہے تھے کہ ان کی مڈبھیڑ تجارتی قافلہ سے ہوگی جبکہ دوسرے یہ توقع رکھتے تھے کہ مقابلہ لشکر سے ہوگا۔ عین بدر کے قریب پہنچے تو ایک ساتھ دو اطلاعیں ملیں۔ ایک یہ کہ تجارتی قافلہ بدر کے پہاڑوں کے پیچھے سے ساحل سمندر کی طرف ہوتا ہوا مکہ کی جانب بڑھ رہا ہے اور دوسری یہ کہ قریش کا لشکر وادی بدر کے پرلے کنارے پر پہاڑوں کے پیچھے پہنچ چکا ہے۔ یہ ایک خدا ساز بات تھی کہ تینوں زیر بحث گروہ بغیر کسی باہمی رابطے اور اطلاع کے ایک ہی وقت میں وادی بدر کے اڑوس پڑوس میں آ موجود ہوئے۔ اب فیصلہ کن پوزیشن یہ سامنے آگئی کہ دو موعود گروہوں میں سے ایک یعنی قافلہ سے مقابلہ کا امکان ختم اور دوسرے سے لڑائی کا امکان یقینی ہو گیا۔ اسی صورت حال کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے۔

اذ انتم بالعدوة الدنيا وهم بالعدوة القصوى والركب اسفل منكم ولو تواعدتم لاختلفتم فى الميعاد ولكن ليقضى الله امرا كان مفعولا ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حى عن بينة وان الله لسميع عليم (انفال ۴۲)

"خیال کرو جب تم وادی کے قریبی کنارے پر تھے اور وہ دور کے کنارے پر اور قافلہ تم سے نیچے تھا اور اگر تم باہم میعاد ٹھہرا کر نکلتے تو میعاد پر پہنچنے میں ضرور تم مختلف ہو جاتے لیکن اللہ نے فرق نہ ہونے دیا تاکہ اللہ اس امر کا فیصلہ فرما دے جس کا ہونا طے ہو چکا تھا۔ تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے حجت دیکھ کر ہلاک ہو اور جسے زندگی حاصل کرنی ہے وہ حجت دیکھ کر زندگی حاصل کرے۔ بے شک اللہ سمیع و علیم ہے۔"

یہ وہ مرحلہ تھا جب بغیر لڑے قریش کے مڑ جانے کا کوئی مشورہ ان کے لئے قابل قبول نہ ہو سکتا تھا۔ ان کے بعض لشکری اس غلط فہمی میں رہے ہوں تو رہے ہوں کہ وہ اپنے کاروان کو بچانے کے لئے مکہ سے نکلے ہیں لیکن قریش سرداروں کے ارادے واضح تھے کہ مسلمانوں کو تہس نہس کرنا ان کا اصل مشن ہے۔ چنانچہ حکیم بن حزام یا بعض دوسرے لوگوں نے جب مڑ جانے اور جنگ سے اجتناب کا مشورہ دیا تو اس تجویز کی مخالفت ہوئی۔ مسلمانوں کے لئے بھی اب لشکر سے لڑے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اس مرحلہ پر قافلے کا تعاقب کرتے تو قریش کے دونوں گروہوں میں گھر جاتے اور یہ بات یقینی نہ تھی کہ قافلے کا مال قبضے میں آ ہی جاتا یا نہیں۔ اگر مسلح لشکر کے مقابلہ پر آنے میں کمزوری دکھاتے تو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیے جاتے اور قریش آگے بڑھ کر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ ان میں سے جو لوگ کاروان سے لڑنے کی خوش فہمی میں مبتلا تھے اب ان کی خوش فہمی رفع ہو چکی تھی اور ایمان کا یہ تقاضا سامنے آ گیا تھا کہ اپنی پوری طاقت سے حق کا دفاع اور باطل کو سرنگوں کریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے قافلے کو قریش اور مسلمانوں دونوں کو میدان میں لانے کا ذریعہ بنایا اور جب وہ آ گئے تو قافلے کو جیسے بیچ میں سے اٹھا لیا اور دونوں قوتوں کو اپنے اپنے اصل موقف کے دفاع کے لئے نبرد آزما کر دیا۔

تالیفات امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے پیسے
۱۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	۱۷۶-۰۰
۲۔ اقسام القرآن	۸-۰۰
۳۔ ذبیح کون ہے	۸-۰۰

تالیفات مولانا امین احسن اصلاحی

۱۔ تدبر قرآن : (مکمل سیٹ : ۹ جلد)	۱۵۸۴-۰۰
فی جلد :	۱۷۶-۰۰
۲۔ مبادی تدبر قرآن	۵۲-۰۰
۳۔ اسلامی قانون کی تدوین	۳۶-۰۰
۴۔ اسلامی ریاست	۰۰-۰۰
۵۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۳۶-۰۰
۶۔ قرآن میں پردے کے احکام	۶-۰۰
۷۔ تنقیدات	۱۸-۰۰
۸۔ توضیحات	۲۱-۰۰
۹۔ تزکیۂ نفس : جلد اول	۶۰-۰۰
: جلد دوم	۵۲-۰۰
۱۰۔ مبادی تدبر حدیث	۳۶-۰۰
۱۱۔ دعوت دین اور اس کا طریق کار	۵۷-۰۰
۱۲۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۶۳-۰۰
۱۳۔ حقیقت شرک و توحید	۶۸-۰۰
۱۴۔ حقیقت نماز	۲۴-۰۰
۱۵۔ حقیقت تقویٰ	۲۴-۰۰
۱۶۔ مقالات اصلاحی : جلد اول	۷۶-۰۰
۱۷۔ فلسفے کے بنیادی مسائل قرآن حکیم کی روشنی میں	۵۶-۰۰
۱۸۔ تفہیم دین	۵۳-۰۰

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروزپور روڈ، اچھرہ، لاہور — ۵۴۶۰۰ - پاکستان۔ فون : ۷۷۲۳۸۴۳